قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

طلوعِ اسلام

ماہنامہ ——— لاہور

قیمت فی پرچہ	ٹیلیفون :- ۸۸۰۸۰۰	بدل اشتراک
۴ چار روپے	خط و کتابت ناظم ادارہ طلوعِ اسلام (رجسٹرڈ) ۲۵-بی گلبرگ ۲ لاہور	سالانہ پاکستان -/۴۸ روپے غیر ممالک -/۹۸ روپے
شمارہ-۶	جون ۱۹۸۶ء	جلد ۳۹

فہرست

۱۔ لمعات ——— ۲
۲۔ قرآنی نظامِ عدل ——— (ثریا عندلیب صاحبہ) ——— ۶
۳۔ روزوں کے احکام ——— ۱۳
۴۔ پاکستان کی معاشی مشکلات اور ان کا قرآنی حل ——— (سید ظفر اقبال علوی) ——— ۱۷
۵۔ ہمارے علماء کے تبلیغی دورے اور مسلمانوں کے ایمان کو خطرہ! ——— ۲۹
۶۔ خطبۂ حجۃ الوداع اور مقامِ حدیث ——— ۳۳
۷۔ عائلی قوانین، اسلام کی روشنی میں۔ (جسٹس ریٹائرڈ) خلیل الرحمٰن و محمد اقبال چودھری ایڈووکیٹ) ۴۱
۸۔ حقائق و عبر: (۱) علماء اور اسلام کی تبلیغ۔ (۲) اسلام میں ٹیکس (۳) اسلامی تحقیقاتی ادارے (۴) علماء کی کدوکاوش (۵) بچوں کو روزہ رکھوانے کا شوق (۶) اہلحدیث میں اقتدار کی جھنگ (۷) ریفرنڈم کے بارے میں جماعت اسلامی کی قلابازی ۴۹
۹۔ باب المراسلات ——— ۵۷
۱۰۔ محترم پرویز صاحب کا ہفتہ واری درسِ قرآنِ کریم (بذریعہ وی سی آر) ——— ۶۱
۱۱۔ طلوعِ اسلام کا مسلک و مقصد ——— ۶۳

ایڈیٹر محمد خلیل، ناشر شیخ عبدالحمید، مقام اشاعت: ۲۵ بی گلبرگ ۲ لاہور۔ مطبوعہ اشرف پرنٹنگ پریس ۹۔ ایبک روڈ لاہور

لمعات

ان دنوں وطنِ عزیز کے آئندہ مالی سال کا بجٹ تیاری کے آخری مراحل میں ہے اور عین ممکن ہے کہ طلوعِ اسلام کے اس شمارے کے چھپنے تک اس کا اعلان بھی ہو جائے۔ بجٹ کو عوام میں مقبول بنانے کے لئے، وزیرِ خزانہ نے عوام کے مختلف طبقات سے تجاویز مانگی ہیں، تاکہ بعد کے اعتراضات سے بچا جا سکے۔ چونکہ ملک میں، اسلامی نظام کی طرف پیش رفت ہو رہی ہے، اس لئے دینی جماعتوں اور علمائے کرام سے بھی درخواست کی گئی ہے کہ وہ بجٹ کو اسلامی بنانے کے لئے حکومت کی رہنمائی کریں۔

علماء حضرات کی اکثریت نے، اس سلسلے میں یہ تجویز پیش کی ہے کہ بجٹ میں، اسلام کی تبلیغ کے لئے کافی رقم مخصوص کر دی جائے، ان کے خیال کے مطابق، اس طرح یہ بجٹ اسلامی بن جائے گا۔ قرآن اکیڈمی والے ڈاکٹر اسرار احمد صاحب جو عائلی قوانین کے خلاف علمِ جہاد بلند کئے ہوئے ہیں، انہوں نے اس بارے میں کچھ کہنا مناسب ہی نہیں سمجھا، جب کہ جماعتِ اسلامی جس کے امیر نے ابھی حال ہی میں دعویٰ کیا ہے کہ اس نے ملک میں اسلامی نظام کو چلانے کے لئے پانچ ہزار افراد کی تربیت کر رکھی ہے، بجٹ کے بارے میں عجیب تجاویز پیش کی ہیں۔ اس کے ایک لیڈر نے تو یہ تجاویز پیش کی ہیں کہ آئندہ بجٹ میں بناسپتی گھی کی قیمتیں پچاس پیسے فی کلو کم دی جائیں اور ریٹائر ہوتے والے سرکاری ملازمین کو مکان مہیا کئے جائیں۔ وغیرہ، تو بجٹ اسلامی بن جائے گا۔

اس سلسلے میں، اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اگر کوئی تجویز پیش کی گئی ہے تو وہ مزدور رہنماؤں کا مطالبہ ہے کہ اس وقت ملک میں سرکاری ملازمین کے جو بائیس گریڈ ہیں ان کی اسلامی تعلیمات میں گنجائش نہیں۔ انہیں کم کر کے پانچ کر دیا جائے تو اس سے اسلامی مساوات کے تقاضے پورے ہو جائیں گے۔ لیکن کسی عالمِ دین نے ان کے اس مطالبے کی تائید نہیں کی۔

ہمارے علماء اٹھتے بیٹھتے یہ دعوےٰ کرتے ہوئے نہیں تھکتے کہ اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ اس کا مطلب تو یہ ہے کہ اس نے زندگی کے ہر معاملے میں رہنمائی کی ہے۔ لیکن جب ان سے زندگی کے سب سے اہم معاملے یعنی بجٹ کے بارے میں پوچھا جاتا ہے تو وہ ادھر ادھر دیکھنے لگ

جاتے ہیں اور سرمایہ داری نظام کی ایک دو باتوں کا ذکر کر کے عملاً اسلام کے مکمل ضابطۂ حیات ہونے کی نفی کرتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی نظام کا مطالبہ کرتے کرتے وہ ایسے لیڈر بن چکے ہیں جو اسلامی تعلیمات کا مطالعہ کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کرتے۔ اگر وہ مطالعہ نہیں کر سکتے تھے تو ایک عام آدمی کی طرح، اس امر پر تو غور کر سکتے تھے کہ اس دنیا کے مختلف حصوں میں مسلمانوں کی حکومتیں قائم رہی ہیں، آخر انہوں نے اپنے اخراجات پورے کرنے کے لئے کس طرح بجٹ بنائے تھے، اگر وہ ایسا کرتے تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ اسلامی بجٹ کس چیز کا نام ہے۔ اور وہ اپنی جہالت کی وجہ سے سرمایہ داری کے بجٹ کو، اسلامی بجٹ قرار دینے کی غلطی نہ کرتے۔

خلافتِ راشدہ کے بعد، مختلف ملکوں میں مسلمانوں نے جو حکومتیں قائم کیں، وہ اگرچہ صحیح معنوں میں خالص اسلامی حکومتیں نہیں تھیں لیکن ان کا مالیاتی نظام، اسی نہج پر چلایا گیا جس کی داغ بیل خلافتِ راشدہ کے دور میں ڈالی گئی تھی۔ یہ نظام بڑی سادہ نوعیت کا تھا۔ جس میں آمدنی کے چند گنے چنے مستقل ذرائع تھے۔ اس کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ اس میں موجودہ دور کے ہزاروں بالواسطہ اور بلاواسطہ ٹیکسوں کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ اور علمائے اسلام نے یہ متفقہ فتویٰ جاری کر رکھا تھا کہ اسلام میں نظامِ زکوٰۃ کے ساتھ کوئی ٹیکس نہیں لگایا جا سکتا۔ (ملاحظہ ہو، المیزان الکبریٰ جلد دوم ص۲)

لیکن حکومت کے جو محدود ذرائع تھے ان سے اتنی آمدنی ہو جاتی تھی، کہ وہ حکومت کے اخراجات کے لئے کافی تھی اور یہ آمدنی زیادہ تر پیداوار کے ایک حصے پر مشتمل ہوتی تھی، اسلئے قیمتوں میں اضافے کے ساتھ، اس میں بھی خود بخود اضافہ ہوتا چلا جاتا تھا۔ اور کسی نئے ٹیکس کی ضرورت محسوس نہ ہوتی تھی اور لطف کی بات ہے کہ ان ذرائع سے جو آمدنی حاصل ہوتی ہے۔ وہ آج بھی جدید سے جدید ترین ریاست کے مصارف کے لئے کافی ہو سکتی ہے۔

ابتدائی اسلامی دور میں اسلامی ریاست کے مندرجہ ذیل ذرائع آمدنی تھے۔

۱۔ ——— سرمائے پر زکوٰۃ۔ تمام مالِ تجارت اور تجارتی مقاصد کے اداروں کی پوری مالیت کو زکوٰۃ کے مقصد کے لئے سرمایہ قرار دیا جاتا تھا۔

۲۔ زرعی پیداوار پر عشر

۳۔ معدنیات پر بیس فیصدی کے حساب سے خُمس

ابتدائی اسلامی دور میں حکومت کا ادارہ سادہ سا ہوتا تھا اور اس کے اخراجات کے لئے مندرجہ بالا تین ذرائع سے جو آمدنی حاصل ہوتی تھی، وہ اس کے اخراجات کے لئے کافی تھی۔ اُن دنوں، اخراجات کی سب سے بڑی مد، ملکی دفاع کے اخراجات تھے اور اس مقصد کے لئے اکثر و بیشتر دشمن کے خلاف، جہاد کرنا ہوتا تھا۔ لیکن اس مقصد کے لئے بھی کوئی باقاعدہ فوج نہیں ہوتی تھی، تمام اہلِ ایمان سے توقع کی جاتی تھی کہ جب بھی ضرورت پڑے وہ دشمن کے خلاف جہاد میں

حصّہ لیں۔ جہاد کے دوسرے اخراجات، مندرجہ بالا مدات سے پورے کئے جاتے تھے۔ اس دور میں دوسرے محکمے، عدلیہ اور مال کے تھے، ان محکموں کے تمام اہلکاروں کی تنخواہ خالص زکوٰۃ کی مد سے ادا کی جاتی تھی۔ اسی لئے تو اسلام کا مالیاتی نظام نظامِ زکوٰۃ کے نام سے مشہور ہوگیا۔

تاہم حکومت کی یہ سادگی، زیادہ عرصے تک قائم نہ رہ سکی۔ فتوحات کی وجہ سے، اسلامی ریاست کی حدود، مصر، ایران اور عراق تک پھیل چکی تھیں، اب ان سرحدوں کی حفاظت کیلئے باقاعدہ فوج کی ضرورت محسوس ہوئی، جس کے لئے مزید اخراجات کی ضرورت پڑی۔ اس لئے حضرت عمرؓ نے نظامِ زکوٰۃ میں دو مزید ذرائع کا مستقل اضافہ کیا۔ یہ اضافے تھے مفتوحہ اراضی کا خراج اور تجارت پر کسٹم ڈیوٹی جسے عشور کہتے تھے۔ یہ کسٹم ڈیوٹی دوسرے ممالک سے آنے والے مال پر اسی حساب سے وصول کی جاتی تھی، جس حساب سے ان ممالک میں مسلمانوں سے وصول کی جاتی تھی۔

تمام مفتوحہ اراضی کو اسلامی ریاست کی ملکیت قرار دے دیا گیا تھا اور انہیں ان کے اصل کاشتکاروں کے پاس رہنے دیا گیا۔ یہ کاشتکار، اس زمین کی پیداوار کا ایک حصّہ بیت المال میں جمع کراتے تھے جسے اصطلاح میں خراج کہتے ہیں۔ یہ کوئی غیر مسلموں پر ظالمانہ ٹیکس نہیں تھا جیسا کہ مستشرقین کے پروپیگنڈے سے ہمارے ہاں کچھ غلط فہمی پیدا ہو چکی ہے، بلکہ زمین پر کام کرنے والے کاشتکار، چاہے وہ مسلمان تھے، یا غیر مسلم سب اسے ادا کرتے تھے۔ اس سلسلے میں حضرت عمرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ صلعم کے اس معاملے سے رہنمائی حاصل کی، جو آپؐ نے یہودِ خیبر کے ساتھ طے کیا تھا اور وہ پیداوار کا ایک حصّہ بطور خراج اسلامی حکومت کو ادا کرنے لگے۔ اس کی روشنی میں آپ نے صحابہ کرام کے مشورے سے تمام مفتوحہ ممالک کی اراضی کو اسلامی بیت المال کی ملکیت قرار دے دیا۔　　　(ملاحظہ ہو کتاب الخراج از امام ابویوسف مطبوعہ مصر ص ۳۵)

یہ اراضی اس کے سابقہ کاشتکاروں کے پاس رہنے دی گئی اور ان کے ساتھ معاہدہ یہ طے کیا گیا کہ وہ ان اراضی کی پیداوار کا ایک حصّہ، اسلامی بیت المال میں جمع کرائیں گے۔ تمام مسلمان فقہاء بشمول فقہ جعفریہ کے ائمہ کا اس امر پر کامل اتفاق ہے کہ تمام مفتوحہ ممالک کی اراضی، اسلامی ریاست کی ملکیت ہے اور ان کی آمدنی سے جو خراج جسے ہمارے ہاں ٹبائی کہتے ہیں، حاصل ہوتا ہے، اسی سے حکومت کے اخراجات پورے ہوتے ہیں۔ مختلف اسلامی ادوار میں، اس مد سے اتنی آمدنی ہوجاتی تھی کہ وہ اس دور کی اسلامی یا مسلمانوں کی حکومت کے اخراجات کے لئے کافی ہوتی تھی۔

ہمارے ملک پاکستان، جو کسی زمانے میں برصغیر پاک وہند کا ایک حصّہ تھا کی اراضی کی شرعی حیثیت بھی یہی متعین کی گئی تھی اور یہاں کی ساری کی ساری اراضی، اسلامی بیت المال کی ملکیت قرار دے دی گئی تھی۔ فتاویٰ عالمگیری میں اس بارے میں یہ فتویٰ موجود ہے کہ تمام خراجی زمین ہمیشہ ہمیشہ کے لئے، اسلامی ریاست کی ملکیت میں رہے گی۔ اگر خدانخواستہ کسی وقت دشمن نے

اس پر قبضہ کر لیا تو یہ مسلمانوں کی ذمہ داری ہے، کہ وہ اسے دشمن سے واپس لیں، اس صورت میں وہ دوبارہ اسلامی ریاست کی ملکیت قرار پاتی ہے، اسے فقہی اصطلاح میں خراجی کہتے ہیں (فتاویٰ عالمگیری جلد سوم اردو ترجمہ ص۵۲۸)

برصغیر پر مسلمانوں نے کوئی ایک ہزار سال تک حکومت کی، اس تمام دور میں، یہاں کے مسلمان بادشاہ جیسے کچھ بھی تھے، انہوں نے اسلام کے اس مالیاتی نظام میں کوئی تبدیلی نہ کی۔ اور اسی شرعی حکومت کے مطابق، حکومت کے اخراجات پورے کئے جاتے ہیں، جنہیں آج کل حکومت کے بجٹ کی اصطلاح سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ انگریزوں نے مسلمانوں سے بنگال کا علاقہ فتح کیا تو انہوں نے یہاں، اپنا نظامِ حکومت نافذ کیا، انہوں نے ۱۷۹۳ء میں بنگال کے بندوبست دوامی کے ذریعے، مسلمانوں کے دورِ حکومت میں سرکاری زمین کی نگرانی کرنے اور مالیہ اکٹھا کرنے والے لوگوں کو جو زیادہ تر ہندو تھے، ان اراضی کا مالک قرار دے کر، غیر حاضر زمینداروں کا ایک طبقہ پیدا کر دیا، چنانچہ ان اراضی کے خراج کی آمدنی جسے ہمارے ہاں بٹائی کہا جاتا ہے، سرکاری خزانے میں جمع ہونے کی بجائے، غیر حاضر زمینداروں کی تجوریوں میں جانے لگی اور ملک کا انتظام چلانے کے لئے دوسرے مزید ٹیکس لگا دیئے گئے، جو ابھی تک کسی نہ کسی صورت میں موجود ہیں، اور اسلامی نظام کے علمبردار انگریزوں کے نافذ کردہ، ان غیر اسلامی ٹیکسوں کو ختم کرانے کی بجائے، تھوڑی بہت ترمیم کے ساتھ، انہیں اسلامی قرار دینے کا عملی فتویٰ دے رہے ہیں۔

اسلامی قانون، جسے اوپر فتاویٰ عالمگیری سے نقل کیا جا چکا ہے، اس کے مطابق انگریزوں کے چلے جانے کے بعد، یہاں کی اراضی کی اصل شرعی حیثیت بحال ہو چکی ہے۔ یعنی یہ کسی فرد یا غیر حاضر زمیندار کی ملکیت نہیں، بلکہ اسلامی ریاست پاکستان کی ملکیت ہیں۔ آج بھی ان اراضی کی پیداوار کی بٹائی یعنی خراج سے، حکومتِ پاکستان کو اتنی زیادہ آمدنی حاصل ہو سکتی ہے، جو اس کے تمام اخراجات کے لئے کافی ہو سکتی ہے۔ اور اسے کوئی دنیاوی ٹیکس لگانے کی ضرورت محسوس نہ ہو گی۔ اسکی وضاحت کے لئے کافی ہے کہ اس وقت پاکستان میں تین کروڑ ٹن غلہ پیدا ہوتا ہے جسکی قیمت ساٹھ کھرب روپے کے لگ بھگ بنتی ہے، اس میں سے نصف حصہ اگر بطورِ خراج، اسلامی ریاست پاکستان کے خزانے میں جمع ہو، جو اس وقت عملاً غیر حاضر زمیندار ہڑپ کر جاتے ہیں، تو اس سے اتنی بڑی رقم حاصل ہو سکتی ہے۔ جو حکومت کے تمام اخراجات کے لئے کافی ہو گی۔ صنعتی پیداوار سے جو حصہ بطورِ خراج وصول ہو گا۔ وہ اس کے علاوہ ہو گا کیونکہ صنعتیں بھی تو خراجی زمین پر قائم ہیں اور اسلامی قانون کے مطابق، ان کی آمدنی کا ایک حصہ، سرکاری خزانے میں جمع کرانا ہو گا۔

حیرت کی بات ہے کہ اسلامی ریاست کے بجٹ کے ان خدوخال کا ہمارے علماء کو علم تک نہیں اور وہ اسکی بجائے، سرمایہ دارانہ نظام کے بجٹ کو معمولی ترمیمات کیساتھ، اسلامی بجٹ قرار دیتے رہے اور اسطرح اپنے اس دعوے کی عملی مخالفت کر رہے ہیں کہ اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ اگر قیامِ پاکستان کے چالیس سال بعد تک انہیں اسلام کے مالیاتی نظام کا علم نہیں ہو سکا، تو وہ کس طرح اسلام کا نظامِ حکومت قائم کریں گے۔

قرآنی نظامِ عدل

عدل اللہ تعالیٰ کی عطاکردہ وہ قرآنی و بنیادی قدر ہے جسے اپنانا جماعتِ مومنین کا
اوّلین اور اہم ترین فریضہ قرار دیا گیا ہے۔ کسی کی محنت کا ٹھیک ٹھیک اس کی محنت کے
برابر معاوضہ دے دینا یا حقدار کو اس کا حق پہنچا دینا عدل ہے۔ معاشرتی امور میں
صحیح توازن و تناسب قائم رکھنا بھی عدل ہے۔ چنانچہ توازن کی نسبت سے قرآن کریم
نے نظامِ عدل کو میزان کہہ کر پکارا ہے اور کہا ہے کہ کائنات کلیتہً عظیم نظامِ میزان
کی رُو سے قائم ہے۔ اس لئے انسانوں پر بھی یہ لازم آتا ہے کہ وہ اپنے معاشرہ میں
میزان کو برقرار رکھیں۔ جس معاشرہ میں عدل باقی نہ رہے اس کی کوئی شے بھی اپنے
صحیح مقام پر نہیں رہتی۔ اسی کو فساد کہتے ہیں۔ اسلام دینِ عدل ہے یعنی نظامِ اسلام
عدل سے الگ کسی چیز کا نام نہیں۔ قرآن کریم نے عدل و انصاف کو زندگی کا ایسا ابدی ضابطہ
ٹھہرایا ہے جو فکر و شعور کے ہر زاویے سے لے کر نظمِ زندگی کے ہر گوشے پر محیط ہے۔
یہ وہ عالمگیر صداقت ہے جسے غیر متبدّل سنت اللہ کی حیثیت حاصل ہے۔ قرآنِ کریم
نے قرآنی نظام کے مقاصد کے نقطۂ ماسکہ کو عدل کے ایک لفظ میں سمٹا کر رکھ دیا ہے۔
عدل کا تصوّر اس قدر وسیع و ہمہ گیر ہے کہ خارجی کائنات ہو یا انسانی دنیا سب اسی
محور کے گرد گردش کرتی ہے۔ اسی وجہ سے کتابِ مبین میں شدّت کے ساتھ عدل کی
تاکید آئی ہے اور چونکہ اسلام کے پیشِ نظر اجتماعی عدل کا قیام ہے۔ لہٰذا اس نے اس
نظامِ عدل کو پوری دنیائے انسانیّت کے ساتھ مربوط رکھا ہے اور اسے دو مضبوط بنیادوں
پر استوار کیا ہے۔ پہلی بنیاد انسانی ضمیر یا دوسرے لفظوں میں فرد کے داخل میں اس کا فہم و شعور
اور دوسری بنیاد سماج کی خارجی دنیا میں قانونی ضابطہ بندی۔ یہ دونوں چیزیں باہم متعلق
ہیں۔ اس تعلق کو قائم رکھنے کے لئے اصولِ انفاق کو اپنانا ہوگا۔ ارشادِ ربّانی ہے۔
لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ط یعنی اگر تم زندگی کی اور اپنی ذات کی
کشاد چاہتے ہو تو اس کے لئے کرنا یہ ہوگا کہ مال و دولت میں سے جو چیزیں تمہیں سب

سے زیادہ عزیز ہوں۔ انہیں صرف اپنے لئے سمیٹ کر نہ رکھو۔ بلکہ نوعِ انسان کی عالمگیر ربوبیت کیلئے کھلا رکھو۔ اسی کا نام نظامِ عدل ہے۔ اسلام اجتماعی عدل کے لئے اصول و ضوابط تجویز کرتا ہے اور حکومت و اقتصاد کے لئے عدل و انصاف پر مبنی طریقۂ کار بتاتا ہے۔ اس نے دنیا میں اپنے حقوق سے دستبردار ہونے کی تعلیم نہیں دی بلکہ قرآن کے عطا کردہ دین نے اپنے فطری حقوق کو یوں ہی چھوڑ دینے والوں کو خواہ وہ کسی دباؤ کے تحت ایسا کریں۔ عذابِ شدید کی وعید دی ہے اور آپ اپنے اوپر ظلم کرنے والے ٹھہرایا ہے۔ اس حقیقت کی نشاندہی سورہ النساء کی ۹۷ ویں آیت میں کی گئی ہے۔ قرآنی نظامِ عدل اجتماعی شکل میں کارفرما اور نتیجہ خیز ہوتا ہے۔ کیونکہ دینِ اسلام ایک ناقابلِ تقسیم کُل ہے۔ جس کا ہر جزو دوسرے اجزا سے پیوستہ ہے۔ اور حیاتِ انسانی کے لئے یہ نظام اسی وقت نفع بخش ہوسکتا ہے جب اسے پورے کا پورا اپنایا جائے۔ اسلام بلاشک وشبہ دینِ توحید ہے کیونکہ وہ کائنات کی ساری قوتوں کے درمیان وحدت و یکجہتی کا قائل ہے۔ اس کے یہاں خدا ایک ہے۔ اس کی قائم و دائم رہنے والی کتاب ایک ہے۔ اور آغازِ حیات سے اسی دینِ واحد کے پیغامبر ہونے کی حیثیت سے، سارے انبیاء بھی ایک ہی سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔ اس کی وضاحت سورۃ الانبیاء کی ۹۲ ویں آیت میں ملتی ہے۔ دینِ اسلام میں یہ عظیم وحدتِ عقیدہ اور عمل، عبادات و معاملات، معاشی و معنوی اقدار، مادیت و روحانیت یعنی دنیا و آخرت سب کے درمیان پائی جاتی ہے۔ اسی سے نظامِ اسلام کے قوانین و دساتیر، روایات و حدود اور سیاسی و معاشی امور کی راہیں ابھرتی ہیں اور حقوق و فرائض کا تعین ہوتا ہے۔ نفع ونقصان میں امتیاز کیا جاسکتا ہے۔ یہ وہ اصلِ اصول ہے جس کے اندر سارے اجزاء اور تمام تفصیلات پوشیدہ ہیں۔ قرآنی طرزِ فکر کی یہ اساس اجتماعی نظامِ عدل کے بنیادی خطوط کو واضح طور پر سامنے لے آتی ہے۔ چنانچہ قرآنی تصورِ عدل کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ وہ محدود معنی میں کسی معاشی عدل کا نام نہیں بلکہ ایک ہمہ گیر اور جامع انسانی عدل ہے۔ زندگی کے تمام مظاہر اور ہر طرح کی سرگرمیاں اس کے دائرہ میں داخل ہیں۔ وہ فکر و عمل اور ضمیر و وجدان سب پر چھایا ہوا ہے۔ قرآن کا نظامِ عدل، معاشی و معاشرتی، اخلاقی و سیاسی تمام طرح کی اقدار کے ایک خوشگوار امتزاج کا نام ہے۔ اسلام کے نزدیک حیاتِ انسانی تعاون و ہم آہنگی اور ہمدردی و مواخات چاہتی ہے۔ اسی سے اس کو نشوونما ملتی ہے۔ یہ عدل ہی تو ہے جو "اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ" کے ابدی اصول کے تحت پوری امتِ مسلمہ کو اخوت کی ایک لڑی میں منسلک رکھتا ہے اور اجتماعیت کی صورت قائم رہتی ہے۔ معاشرہ میں اجتماعی عدل کا قیام افرادِ معاشرہ کے درمیان تعاون اور دوست گیری کے جذبۂ صادق کے

بغیر ممکن نہیں ۔ علاوہ ازیں اجتماعی نظامِ عدل اپنے وجود کے لئے مطلق اور مکمل آزادئ ضمیر، کامل انسانی مساوات اور ٹھوس و پائیدار اجتماعی کفالت کا مطالبہ کرتا ہے ۔ اس کا کوئی تصور اس وقت تک پوری طرح شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتا ۔ نہ اسے اس وقت تک قیام و بقا نصیب ہو سکتا ہے ۔ جب تک کہ اس کے پیچھے اس عدل کی اجتماعی ضرورت کا شدید احساس اور انفرادی استحقاق کا گہرا شعور موجود نہ ہو ۔ پھر یہ یقین بھی ضروری ہے کہ اس طرح ایک اعلیٰ انسانی مقصد تک پہنچنا ممکن ہو سکے گا ۔ ساتھ ہی مادی حالات ایسے ہونے چاہئیں کہ فرد اس نظامِ عدل سے وابستہ رہتے اس کی حفاظت کرنے اور اسکی خاطر تکلیفیں برداشت کرنے پہ آمادہ ہو جائے ۔ ذہنی طور پر تیار ہوئے بغیر محض ثانوی طور پہ عدل کو اختیار کرنا سہل ہوتا ہے نہ پائیدار ۔ افراد کے اذہان و قلوب میں ایسے عقائد کا ہونا ضروری ہے جو قرآنی نظامِ عدل کی عملاً تائید کریں اور اس کے لئے خارجی حالات کا سازگار ہونا بھی ضروری ہے ۔ خالقِ ارض و سما نے زندگی کو عبث پیدا نہیں کیا ۔ وہ انسان کو معطل رکھ کر ہر طرح کے نشوو ارتقا سے محروم نہیں رکھنا چاہتا ۔ زندگی اور ضروریات لازم و ملزوم ہیں ۔ ضروریات سے بے نیاز رہ کر زندگی کو ناکارہ نہیں بنایا جا سکتا ۔ موزوں اور معقول صورت زندگی وہ ہے جس میں انسان کو اپنی قوتوں اور صلاحیتوں کو پروان چڑھانے اور ارتقا کیطرف لے جانے کا پورا موقع ملے ۔ اس کے ساتھ ہی عدل و اعتدال کی راہ پہ چلتے ہوئے وہ ضروریات کا غلام بننے سے محفوظ رہے ۔

قرآن کریم جو نظامِ عدل دیتا ہے اور اس کی رُو سے سوسائٹی میں جو اجتماعی عدل قائم ہوتا ہے، وہ اس تصورِ عدل سے بہت بلند و منفعت بخش ہے جو اشتراکیت میں پایا جاتا ہے ۔ دینِ مبین کی نظر میں عدل انسانی مساوات کا نام ہے ۔ جس میں تمام اقدارِ حیات کی متوازن و ہم آہنگ تحصیل عمل میں آتی ہے ۔ ان اقدار میں اگرچہ معاش کو بنیادی اہمیت حاصل ہے لیکن اس نظامِ عدل میں مال و دولت کو مقصودِ حیات قرار نہیں دیا گیا کہ جس کے تحت مال و دولت کے حصول کے لئے جائز و ناجائز کو بھول کر افراد معاشرہ میں چھینا جھپٹی شروع ہو جاتی ہے اور مفاد پرستی اور خود غرضی کے اس پست رویے سے معاشرے میں ایک دوسرے سے امتیاز و تفاوت رکھنے والے طبقات وجود میں آتے ہیں ۔ امیر امیر تر اور غریب غریب تر ہوتے چلے جاتے ہیں ۔ جس سے پورا معاشرہ فساد و انتشار کی آماجگاہ بن جاتا ہے ۔ جب کہ اجتماعی عدل کا تقاضا یہ ہے کہ دولت سارے معاشرے میں اس طرح گردش کرتی رہے جیسے خون جسم میں گردش کرتا ہے ۔ جس سے سارے اعضائے جسم متمتع ہوتے ہیں ۔ دولت سارے افرادِ معاشرہ کی ضروریات کے لئے گردش میں رہنی چاہیئے ۔ کسی ایک فرد یا ایک گروہ کو یہ حق نہیں پہنچتا ہے کہ وہ جتنی جی چاہے دولت سمیٹ کر رکھ لے اور مال و انبار

اکٹھا کر لے۔ معاشرے کے ہر فرد کی ہر بنیادی ضرورت پوری کرنے والا عادلانہ طرزِ حیات ہی انسانی مساوات کا نقیب بنتا ہے۔ اسلام نے ہر جگہ ہر حیثیت میں تمام انسانوں کو مساوی قرار دیا اور بتایا کہ اعمالِ صالحہ کے سوا فضیلت و امتیاز کا کوئی معیار نہیں۔ عزت و شرف صرف متقی اور پاکبازوں کے لئے ہے۔ اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی نے وضاحت کر دی کہ تقوٰی جو تمام اسلامی زندگی کی روح اور اہلِ ایمان کے ہر قول و فعل کے لئے کسوٹی ہے، عدل کے بغیر پیدا ہی نہیں ہو سکتا۔

قرآن کریم نے عدل کرنے والوں کے متعلق کہا ہے: یَهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَ بِهٖ یَعْدِلُوْنَ۔ وہ حق کی طرف لوگوں کی راہنمائی کرتے ہیں اور اسی کے مطابق عدل کرتے ہیں۔ اس فرمانِ ربّی سے ظاہر ہوا کہ الحق کے مطابق عدل ہی درحقیقت عدل ہے اور اَلْحَقّ خدا کی کتاب قرآنِ حکیم ہے۔ وَ اَنْزَلْنَا اِلَیْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ: اور ہم نے تمہاری طرف حق کے ساتھ کتاب نازل کی۔ نظامِ عدل کے لئے قرآن کا حکم یہ ہے کہ اِذَا حَكَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ۔ جب تم لوگوں میں فیصلہ کرو تو فیصلہ عدل کے مطابق کرو۔ اسی طرح مصالحت بھی عدل کے ساتھ کراؤ۔ سورۂ حجرات میں ہے کہ اگر کبھی ایسا ہو کہ مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا بِالْعَدْلِ تو ان میں عدل یعنی کتاب اللہ کی رُو سے مصالحت کرا دو۔ اجتماعی عدلِ مطلق کی صحیح ترازو یہ ہے کہ بغض یا محبت اس کی ڈنڈی ٹیڑھی نہیں کر سکتے۔ اور نہ دوستی دشمنی اس کے قواعد و ضوابط بدل سکتی ہے۔ جیسا کہ ارشادِ ربّانی ہے وَ لَا یَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤى اَلَّا تَعْدِلُوْا۔ اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی یعنی کسی قوم کی دشمنی بھی تمہیں اس پر آمادہ نہ کر دے کہ تم اس سے عدل نہ کرو۔ ہمیشہ عدل کرو کہ یہی شعارِ تقوٰی کے قریب تر ہے۔ یہ وہ عدل ہے جو افراد کی باہمی قرابت یا قوموں کے باہمی بغض و عناد کسی سے بھی متاثر نہیں ہوتا۔ اس سے امتِ مسلمہ کے تمام افراد مرد و زن یکساں مستفیض ہوتے ہیں۔ عدل کے راستے میں حسب نسب کا فرق روک نہیں بن سکتا۔ صرف مسلمان ہی نہیں، دوسری قومیں بھی اس سے محروم نہیں رکھی گئیں۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد ہے کہ اگر اہلِ کتاب بھی تمہارے پاس فیصلوں کے لئے آئیں تو فَاحْكُمْ بَیْنَهُمْ بِالْقِسْطِ تو ان کے باہمی فیصلے بھی انصاف کی رُو سے کرو۔ عدل کے متعلق قرآن ہمیں یہ رہنمائی دیتا ہے کہ عدل کرنے میں اپنوں اور بیگانوں میں تمیز نہیں کی جائیگی۔ رشتے داری کے تعلقات، امیر اور غریب کی حیثیت حتّٰی کہ اپنی ذات کے مفاد ان میں سے کوئی چیز بھی عدل پر اثر انداز نہیں ہونی چاہیئے۔ فیصلہ حق کے مطابق کیا جائے خواہ وہ اپنی ذات کے خلاف ہی کیوں نہ جائے۔ سورۂ انعام میں ہے: وَ اِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَ لَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰی۔ تم جب بھی کوئی بات کہو تو عدل و انصاف کے مطابق کرو۔ چاہے وہ متعلقہ شخص تمہارا رشتے دار ہی کیوں نہ ہو۔ اجتماعی عدل کا

مدار شہادت پر ہوتا ہے۔ شہادت کے بارے میں قرآن کریم کا عطا کردہ بلند ترین معیار یہ ہے۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ أَنفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ ۔ إِن يَكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَقِيرًا فَاللَّهُ أَوْلَىٰ بِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوَىٰ أَن تَعْدِلُوا ۔ وَإِن تَلْوُوا أَوْ تُعْرِضُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ○ "اے ایمان والو! تم دنیا میں عدل و انصاف کے محافظ و نگران بن کر رہو۔ عدل کے لئے بنیادی شرط یعنی شہادت سے۔ تم مدعی یا مدعا علیہ کی طرف سے نہیں، خدا کی طرف سے گواہ بن کر کھڑے اور ہمیشہ عدل و انصاف کو مدنظر رکھ کر سچی سچی شہادت دو۔ بے شک وہ تمہارے اپنے خلاف جائے یا تمہارے والدین یا دیگر رشتے داروں کے خلاف۔ اس باب میں امیر اور غریب میں کوئی امتیاز نہ کرو تم جادۂ حق و صداقت سے ہٹ کر ان کے خیر خواہ مت بنو۔ خدا ان کا زیادہ خیر خواہ ہے۔ اس کا خیال رکھو کہ تمہارے جذبات کہیں عدل کی راہ میں حائل نہ ہو جائیں۔ نہ کوئی پیچ دار بات کرو نہ شہادت دینے سے پہلو تہی کرو۔ یاد رکھو! اللہ کا قانونِ مکافات تمہارے اعمال، جذبات و رجحانات تک سے اچھی طرح واقف ہے۔" قرآن میں عدل کے ساتھ احسان کا حکم بھی آیا ہے۔ عدل یہ ہے کہ مجرم کو اس کے جرم کی سزا دی جائے اور احسان یہ کہ اس جرم کی وجہ سے مظلوم کو جو نقصان ہوا ہے' اسے پورا کیا جائے۔ یعنی عدل میں یہ دونوں چیزیں شامل ہیں اور یہ اسلامی مملکت (قرآنی نظام کی حامل مملکت) کی اوّلین ذمہ داری ہے۔

اجتماعی عدل کے قیام کے لئے اجتماعی کفالتِ باہمی کا اصول بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ جیسا کہ ہم نے دیکھا اسلام انفرادی آزادی کو اس کی بہترین شکل میں عطا کرتا اور انسانی مساوات کو اعلیٰ ترین معنی میں قائم کرتا ہے، تاہم وہ ان دونوں کو کسی پابندی کے بغیر بے لگام نہیں چھوڑ دیتا۔ اس کے سامنے ایک طرف سماج کا مفاد اور اس کا حق ہے تو دوسری طرف انسانیت کی مصلحتیں اور تقاضے۔ اس لئے وہ انفرادی آزادی کے بالمقابل انفرادی ذمہ داری کا اصول پیش کرتا ہے اور اس کے پہلو میں اجتماعی ذمہ داری کو جگہ دیتا ہے جس کا بار فرد اور جماعت دونوں پر ڈالا گیا ہے۔ اسی ذمہ داری کا نام اجتماعی کفالتِ باہمی ہے۔ یہ کفالت فرد اور اس کی ذات۔ فرد اور اس کا قریبی خاندان۔ فرد اور جماعت۔ ایک قوم اور دوسری قوموں۔ ایک نسل اور آگے آنے والی نسلوں، سب کے مابین کارفرما ہوتی ہے۔ آزادی اور ذمہ داری دونوں برابر ہیں اور ایک دوسرے پر انحصار کرتی ہیں۔ ان اصولوں کے نتیجہ میں انسان اپنے نفس کا آپ ہی نگران بن جاتا ہے۔ نفس سے لغزش ہو تو اس کا محاسبہ کرتا ہے۔ اگر غفلت برتتا ہے تو خود ہی خمیازہ بھگتتا ہے۔ اجتماعی کفالت کے سلسلے میں احادیثِ مبارکہ ہمیں روشنی دکھاتی ہیں۔ احمد بن حنبل مروی ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا۔ جس بستی

میں کوئی شخص صبح کو اس حال میں اٹھے کہ وہ رات بھر بھوکا رہا تو پھر اللہ تبارک تعالیٰ پر اسی بستی کے بقاء و تحفظ کی کوئی ذمہ داری نہیں رہ جاتی۔ دوسرے موقع پر نبی کریمؐ نے فرمایا۔ جس کے پاس زائد سواری ہو وہ اسے اس کو دے دے جس کے پاس سواری نہ ہو۔ اور جس کے پاس زائد زادِ راہ ہو وہ اسے اس کے حوالے کر دے جو اس سے محروم ہو۔ پھر فرمایا۔ جو اپنے پاس دو آدمیوں کا کھانا رکھتا ہو وہ تیسرے آدمی کو مہمان بنالے اگر چار کا ہو تو پانچویں چھٹے کو مہمان بنا لے۔

درحقیقت امتِ اسلامیہ ایک جسم کی مانند ہے کہ جس میں یہاں سے وہاں تک ایک ہی احساس کام کرتا ہے۔ ایک عضو کو جو تکلیف پہنچتی ہے تو تمام اعضاء اس کے درد کی ٹیس محسوس کرتے ہیں۔ جماعتِ مومنین کی اس دلکش اور مؤثر کیفیت کی تصویر جناب رسالتمآبؐ نے ان الفاظ میں کھینچی ہے: آپؐ نے فرمایا: باہم لطف و کرم اور انس و محبت میں مسلمانوں کا حال جسم کا سا ہے کہ جب ایک عضو کو تکلیف ہوتی ہے تو بدن کا عضو عضو اس کا شریکِ درد ہو جاتا ہے۔ اسی طرح آپؐ نے ایک مومن اور دوسرے مومن کے درمیان تعلق و تعاون کی وضاحت یوں بیان فرمائی ہے کہ ایک مومن دوسرے مومن کے لئے عمارت کی اینٹوں کی مانند ہے کہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کو تھامے اور سنبھالے رہتی ہے۔ اسی اصول کے تحت اجتماعی جرائم کے لئے سخت سزائیں مقرر کی گئیں ہیں۔ اس لئے کہ جب تک ہر فرد کی جان و مال اور اس کی عزت و آبرو محفوظ نہ ہو تعاونِ باہمی اور کفالتِ اجتماعی کا اصول عملاً متشکل نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ دینِ اسلام کی رُو سے اجتماعی عدل کی عمارت انہی تین بنیادوں پہ کھڑی ہوتی اور قائم رہ سکتی ہے جن کا ذکر پہلے کیا گیا یعنی آزادئ ضمیرِ انسانی مساوات اور کفالتِ اجتماعی۔ قرآن پاک نے اپنی آیاتِ بینات میں نظام عدل کے ضمن میں ان امور کی پوری وضاحت کر دی ہے۔ اس کا مقصود یہ ہے کہ انسانی زندگی کے سارے پہلو ایک دوسرے سے ہم آہنگ رہیں اور ایک دوسرے کی تکمیل کرتے رہیں۔ غور کرنے کا مقام ہے کہ تاریخ اسلام کے عادلانہ نظام میں اجتماعی کفالت کی شان کو جس چیز نے دوبالا کیا وہ اس کا دائرۂ اسلامی سے نکل کر پوری انسانیت کے لئے عام ہونا تھا۔ ہمارے سامنے حضرت عمر فاروق اعظمؓ کا واقعہ آتا ہے۔ کہ آپ نے ایک بوڑھے نابینا کو دروازے پہ بھیک مانگتے دیکھ کر اس سے اس کی بابت پوچھا تو معلوم ہوا کہ وہ یہودی تھا۔ آپ نے دریافت کیا تمہیں کس چیز نے اس حالت تک پہنچایا۔ اس نے جواب دیا۔ جذیہ۔ ضرورت اور بڑھاپا۔ حضرت عمرؓ اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے گھر لے گئے اور اس کی اس وقت کی ضروریات کے لئے سامان دیا۔ پھر آپ نے بیت المال کے خزانچی کو کہلا بھیجا کہ اس شخص اور اس جیسے دوسرے اشخاص کی طرف توجہ کرو خدا کی قسم یہ انصاف کی بات نہیں کہ ہم اس کی جوانی کی کمائی کھائیں اور بڑھاپے میں اسے دھتکار

دیں۔ آپ نے اسے اور اس جیسے دوسرے افراد کو جذیہ سے بری قرار دیا۔ اسی طرح دمشق کے سفر میں حضرت عمرؓ کا ایسی بستی سے گزر ہوا۔ جہاں جذام کے مریض عیسائی بستے تھے، حضرت عمرؓ نے ان کی زکوٰۃ کی مد سے مدد کی اور ان کے لئے راشن جاری کیا۔ اس نظام میں مساوات کا یہ عالم تھا کہ سفر میں آدھا راستہ غلام اونٹ پہ سوار ہوتا تھا اور آدھا راستہ خلیفۂ دوم حضرت عمر فاروقؓ سوار ہوتے تھے۔

سیرت وکردار کی تعمیر میں عدل بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔ تمام حسنات اور اعمالِ صالح کی اساس عدل ہے، عدل وتوازن کا جذبہ انسان کو ایسے سانچے میں ڈھال دیتا ہے کہ اس کے لئے ہر برائی اور بے حیائی سے اجتناب اور کنارہ کشی ممکن ہو جاتی ہے۔ اسی لئے اخلاقی و معاشرتی احکام و اوامر کے سلسلہ میں قرآن میں سب سے پہلے عدل کا ذکر آیا ہے۔ اسی اجتماعی عدل کی نسبت سے شریعتِ اسلامی میں اخلاق سے لے کر سیاست معیشت اور معاشرت، تمام شعبہ ہائے زندگی مل کر ایک وحدت کُل بناتے ہیں۔ یہی مقصد تخلیقِ حیات ہے۔ قرآن کا نظامِ عدل وہ جنتی معاشرہ قائم کرتا ہے جس میں نہ کسی سے ناانصافی کی جاتی ہے نہ کسی کی محنت کا استحصال ہوتا ہے۔ اس کے برعکس جو معاشرہ عدل و انصاف کے عمل دخل سے محروم ہوا جہنم کو اس نے گھر بنایا۔

فَاعۡتَبِرُوۡا یَا اُولِی الۡاَبۡصَار

راقمہ: ثریا عندلیب

۲۵۔ اپریل ۱۹۸۶ء

خریدار صاحبان متوجہ ہوں

خط و کتابت کرتے وقت اپنا خریداری نمبر ضرور لکھیں۔

۱۔ بسا اوقات ادارہ ہذا کے نام جو منی آرڈر موصول ہوتے ہیں ان کے کوپنز (COUPONS) پر خریدار کا مکمل پتہ نہیں لکھا ہوتا۔ اس کا خاص خیال رکھا جائے تاکہ تعمیل میں بلاوجہ تاخیر نہ ہو۔

۲۔ پرچہ نہ ملنے کی اطلاع خریدار ماہ رواں کی پندرہ تاریخ تک بھیج دیں۔ اس صورت میں ہی پرچہ دوبارہ ارسال کیا جائے گا۔

۳۔ جواب طلب امور کے لئے جوابی لفافہ ارسال کریں۔

ناظم ادارہ طلوعِ اسلام

روزہ کے احکام

چونکہ رمضان المبارک کے مہینہ کا آغاز ہو رہا ہے۔ اس لئے (معمول کے مطابق) قرآن کی رُو سے روزے کے احکام مختصر الفاظ میں بیان کئے جاتے ہیں۔ یہ احکام سورۂ بقرہ میں آئے ہیں۔ متعلقہ آیات یہ ہیں۔

(۱) یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الصِّیَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝

(۱) اے پیروانِ دعوتِ ایمانی! جس طرح تم سے پچھلی قوموں پر روزہ فرض کیا گیا تھا۔ اسی طرح تم پر بھی روزہ فرض کیا گیا ہے تاکہ تم قانونِ خداوندی کی نگہداشت کر سکو۔

(۲) اَیَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ

(۲) یہ روزے چند گنے ہوئے دنوں کے ہیں۔

(۳) فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِیْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَیَّامٍ اُخَرَ۔

(۳) پھر جو کوئی تم میں سے بیمار ہو یا سفر میں ہو تو وہ دوسرے دِنوں میں روزے رکھ کر گنتی پوری کر دے۔

(۴) وَعَلَى الَّذِیْنَ یُطِیْقُوْنَهٗ فِدْیَةٌ طَعَامُ مِسْكِیْنٍ۔

(۴) اور جو لوگ بہ دشواری روزے رکھ سکیں، ان کے لئے روزے کے بجائے ایک مسکین کو کھانا کھلا دینا کافی ہے۔

(۵) فَمَنْ تَطَوَّعَ خَیْرًا فَهُوَ خَیْرٌ لَّهٗ وَ اَنْ تَصُوْمُوْا خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔

(۵) اس کے بعد اگر کوئی اپنی خوشی سے زیادہ کرلے تو مزید اجر کا موجب ہوگا۔ اگر تم سمجھ بوجھ رکھتے ہو تو تمہارے لئے روزہ رکھنا بہتر ہے۔

(۶) شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْۤ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ۔

(۶) روزے رمضان کے مہینے کے ہیں جس میں قرآن نازل کیا گیا ہے۔

؎ ان احکام کو اس سے پہلے بھی ہم کئی بار درج کر چکے ہیں۔ لیکن قارئین کے تقاضے کے پیشِ نظر انہیں دہرایا جا رہا ہے۔

(۷) فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۖ وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ۔ (۱۸۳-۱۸۵/۲)

(۷) لہٰذا، تم میں سے جو کوئی اس مہینے میں اپنے گھر پر موجود ہو تو اسے اس مہینے کے روزے رکھنے چاہئیں۔ البتہ اگر تم میں سے کوئی بیمار یا سفر میں ہو تو وہ دوسرے دنوں میں گنتی پوری کرے۔

(۸) وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۖ ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ۔ (۱۸۷/۲)

(۸) اور کھاؤ پیو، یہاں تک کہ تمہارے لئے صبح کی سفید دھاری سیاہ دھاری سے متمیز ہو جائے۔ پھر رات تک روزہ پورا کرو۔

(۹) أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَائِكُمْ۔ (۱۸۷/۲)

(۹) اور تمہارے لئے روزوں کی راتوں میں اپنی بیویوں سے اختلاط حلال کیا گیا ہے۔

ان آیات سے معلوم ہو گیا کہ

۱۔ روزے رمضان کے مہینے کے ہیں (تین دن یا نو دن کے نہیں، بلکہ پورے مہینے کے)۔

۲۔ روزے ہیں، اس وقت سے لے کر جب صبح کی سفیدی نمودار ہو جائے، دن کے ختم ہونے تک' کھانا، پینا اور بیوی سے اختلاط منع ہے۔

۳۔ روزے اس کے لئے ہیں کہ جو اس مہینے میں اپنے گھر پر موجود ہو اور تندرست ہو۔ مریض تندرست ہونے پر اور مسافر سفر سے واپسی پر دوسرے دنوں میں روزے رکھ کر گنتی پوری کر دے۔

۴۔ اب ایک شکل اور باقی رہ جاتی ہے اور وہ یہ کہ ایک شخص (عام عرفی معنوں میں) نہ تو بیمار ہے نہ مسافر ہے لیکن کسی وجہ سے، اسے روزے رکھنے دشوار ہیں۔ مثلاً ایک بوڑھا آدمی اپنے گھر پر موجود ہے اور مریض بھی نہیں۔ لیکن بڑھاپے یا کسی مزمن مرض کی وجہ سے کمزور اتنا ہے کہ بمشکل روزہ رکھ سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس سے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ رمضان کے بعد دوسرے دنوں میں روزے رکھ کر گنتی پوری کر دے۔ ایسے لوگوں کا حکم آیت نمبر ۴ میں بیان کر دیا گیا ہے کہ جو لوگ ایسے ہوں کہ بہ مشکل روزہ رکھ سکتے ہیں، انہیں اپنے آپ کو دشواری میں ڈالنے کی ضرورت نہیں۔ وہ روزے کے بجائے ایک مسکین کو کھانا کھلا دیں۔

غور فرمایئے کہ اوپر کی تینوں شقوں میں ہر قسم کے حالات جمع ہو گئے ہیں اور یہی احکام کی جامعیت کا تقاضا تھا۔

ہم نے وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ' کا ترجمہ ــــ وہ لوگ جو بہ دشواری روزہ رکھ سکیں ــــ کیا ہے۔ لیکن اس کا عام ترجمہ ــــ اور جو لوگ روزہ رکھنے کی طاقت رکھتے ہوں ــــ کیا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ ترجمہ صحیح نہیں۔ اس لئے کہ اس ترجمہ کی رُو سے مطلب یہ ہو گا کہ جو لوگ روزہ رکھنے کی طاقت رکھتے ہوں وہ تو ایک مسکین کو کھانا کھلا دیں اور جن میں روزہ رکھنے کی طاقت نہ ہو وہ روزے رکھا

کریں۔ ظاہر ہے کہ قرآن کا منشا یہ نہیں ہو سکتا۔ بات یہ ہے کہ لفظ "طاقت" کا جو مفہوم ہمارے ہاں اُردو میں رائج ہے وہ اس سے مختلف ہے جو عربی زبان میں اس کا مفہوم ہوتا ہے۔ اس کے لئے عربی زبان کی لغات دیکھئے۔ محیط المحیط جلد دوم صفحہ ۱۳۰۴ میں ہے۔

"طاقت کے معنی کسی چیز پر قدرت رکھنا ہیں لیکن یہ قدرت کی ایسی مقدار کو کہتے ہیں جسے انسان بہ مشقت کر سکتا ہے۔ دراصل یہ لفظ اُس طوق سے ماخوذ ہے جو کسی چیز کو اپنے گھیرے میں لے لیتا ہے: لَا تُحَمِّلْنَا مَالَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ کے معنی یہ نہیں کہ جس کی ہمیں قدرت نہ ہو بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ جس کا بجا لانا ہمیں دشوار ہو۔"

اسی طرح عربی کی مشہور لغت لسان العرب صفحہ ۱۰۳ جلد ۱۲ میں ہے کہ

طاقت، قدرت کی اس مقدار کا نام ہے جو کسی انسان کے لئے بہ مشقت کرنا ممکن ہو۔

مفتی محمد عبدہٗ، اپنی تفسیر المنار صفحہ ۱۵۵ جلد ۲ میں فرماتے ہیں کہ

اِطَاقَةٌ دراصل مَكِنَتْ اور قُدْرَتْ کے بالکل ادنیٰ درجہ کا نام ہے۔ چنانچہ عرب اَطَاقَ الشَّيْءَ۔ صرف اس وقت کہتے ہیں جب اس کی قدرت نہایت ہی ضعیف ہو۔ یعنی بہ دشواری اُسے برداشت کر سکتا ہو۔ چنانچہ يُطِيقُونَهٗ سے مراد بوڑھے، ضعیف اور اپاہج لوگ ہیں جن کے اعذار کے دور ہو جانے کی کوئی توقع نہیں کی جا سکتی۔ اور وہ لوگ ہیں جو انہیں کی طرح معذور ہیں۔ یعنی ایسے کام کاج کرنے والے لوگ جن کی معاش خدا نے پُر مشقت کاموں میں رکھ دی ہے۔ اسی بنا پر امام راغبؒ نے لکھا ہے کہ طاقت قدرت کی اس مقدار کا نام ہے جس کا کرنا انسان کے لئے بہ مشقت ممکن ہو۔

اس کی تائید تفسیر کشاف سے بھی ہوتی ہے جس میں لکھا ہے کہ

طَاقَةٌ کے مفہوم میں وہ کام آتے ہیں جنہیں بہ تکلیف یا بہ مشقت کیا جا سکے اور وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيقُوْنَهٗ سے مراد بوڑھے مرد اور بوڑھی عورتیں ہیں جن کے لئے روزہ نہ رکھ کر فدیہ دینے کا حکم ہے۔ چنانچہ اسی بنا پر یہ آیت ثابت ہے، منسوخ نہیں ہے۔ (تفسیر کشاف ص ۲۵۵ جلد ۱)

تفسیر روح المعانی میں ہے کہ

عربی زبان میں اَلْوُسْعَ کا لفظ اس قدرت کا نام ہے جو سہولت کے ساتھ ہو اور طَاقَةٌ کا لفظ اس قدرت کا نام ہے جو شدّت اور مشقت کے ساتھ ہو۔ لہٰذا، (آیۂ زیر نظر) کے معنی یہ ہوں گے۔ اور ان لوگوں پر جو شدت اور مشقت کے ساتھ روزہ رکھ سکتے ہیں، ایک مسکین کو کھانا کھلا دینا ہے۔

(روح المعانی صفحہ ۵۹، جلد ۲)

تصریحات بالا سے آپ نے دیکھ لیا کہ عربی زبان میں لفظ "طَاقَةٌ" کا مفہوم کیا ہے اور اس بنا پر وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيقُوْنَهٗ کا ترجمہ ——— اور جو لوگ روزہ رکھنے کی طاقت رکھتے ہوں ——— صحیح نہیں ہو سکتا۔ اس کا صحیح ترجمہ یہ ہے کہ ——— جو لوگ بہ دشواری روزہ رکھ سکیں۔

جیسا کہ آپ جانتے ہیں، قرآن کا اسلوب یہ ہے کہ وہ ایک اصول بیان کر دیتا ہے اور اُسے اُمت کے اجتماعی نظام پر چھوڑ دیتا ہے کہ وہ اس کی جزئیات خود متعین کر لے۔ چنانچہ عَلَی الَّذِیْنَ یُطِیْقُوْنَہٗ، میں بھی یہی اسلوب اجتماعی اختیار کیا گیا ہے۔ یہاں ایک اصول بیان کر دیا گیا ہے اور اس کی تفصیلات خود بیان نہیں کیں (کہ وہ لوگ کون ہیں جو بہ مشقت روزہ رکھ سکتے ہیں) اس کی تفاصیل پہلے بھی متعین کی جا چکی ہیں اور ان پر اب بھی غور کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ علاّ قرطبی کی کتاب "جامع احکام القرآن" (صفحہ ۲۶۸ - ۲۶۹ - جلد ۲) میں ہے کہ

> تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ بوڑھے مرد اور بوڑھی عورتیں جو روزہ رکھنے کی طاقت ہی نہیں رکھتے، یا شدید مشقت کے ساتھ طاقت رکھتے ہیں، ان کے لئے روزہ نہ رکھنا جائز ہے۔ مگر اس میں اختلاف ہے کہ ایسے لوگوں کے ذمہ کیا ہے؛ چنانچہ امام ربیعؒ اور امام مالکؒ نے کہا ہے کہ ان کے ذمے کچھ بھی نہیں۔ البتہ امام مالکؒ نے کہا ہے کہ اگر یہ لوگ روزانہ ایک مسکین کو کھانا کھلا دیں تو میرے نزدیک یہ پسندیدہ ہے۔ اور حضرت انسؓ ابن عباسؓ، قیسؓ بن السائب اور ابوہریرہؓ نے فرمایا ہے کہ ــــ ان لوگوں کے ذمہ فدیہ ہے، قضا نہیں ہے۔

مفتی سید محمد عبدہٗ نے اور بھی اضافہ فرمایا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:-

> اَلَّذِیْنَ یُطِیْقُوْنَہٗ سے یہاں مراد بوڑھے، ضعیف اور اپاہج لوگ ہیں جن کے اعذار کے دور ہو جانے کی امید نہیں ہوتی۔ ایسے ہی وہ لوگ بھی ان کے زمرے میں شمار ہونگے جو مزدوری پیشہ ہوں۔ جن کی معاش خدا نے پُرمشقت کاموں میں رکھ دی ہے۔ مثلاً کانوں سے کوئلہ نکالنے والے اور وہ مجرم جن سے قید خانوں میں مشقت کے کام لئے جاتے ہیں، اور جن پر روزہ رکھنا گراں ہو۔ تیسری قسم کے وہ لوگ ہیں جن پر کسی ایسی وجہ سے جن کے دُور ہو جانے کی کوئی امید نہ ہو، روزہ رکھنا گراں گزرتا ہو جیسے بڑھاپا اور پیدائشی کمزوری اور ہمیشہ محنت کے کاموں میں مشغولیت اور پرانی بیماری جس کے اچھا ہونے کی امید نہ ہو، ایسے ہی وہ شخص جس کی مشقت کا سبب ہوتا رہتا ہے۔ جیسے حاملہ عورت اور دودھ پلانے والی عورت، ان سب لوگوں کے لئے جائز ہے کہ وہ روزہ کے بجائے ایک مسکین کو کھانا کھلا دیں۔ اتنا کھانا جو ایک اوسط درجے کی خوراک کے آدمی کا پیٹ بھر سکے۔ (تفسیر المنار۔ صفحہ ۱۵۵ - ۱۵۷ - جلد ۲)

یہ ہیں روزوں کے احکام قرآنِ کریم کی رُو سے۔ ہم نے صرف احکام سے بحث کی ہے۔ روزے کا فلسفہ بیان نہیں کیا۔ وہ الگ موضوع ہے۔

(۰)

پاکستان کی معاشی مشکلات اور اُن کا قرآنی حل

علامہ پرویز صاحب کی پہلی برسی کے موقع پر مذکورہ بالا موضوع پر جو مقابلہ مضمون نویسی یونیورسٹیوں اور کالجوں کے طلباء کے درمیان منعقد ہوا تھا ان میں سے دو طالب علم ـــــ انعام کے مستحق قرار پائے تھے۔ ان میں سے ایک کا مضمون قارئین کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔ (ادارہ)

وہ کون سا مسلمان ہے جس کے کانوں نے یہ نہ سن رکھا ہو کہ اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ وہ کون سا مسلمان ہے جس کی نظروں سے اکثر و بیشتر ایسے بیانات نہ گزرے ہوں کہ اسلام نوع انسان کے تمام مسائل کا حل اپنے اندر رکھتا ہے اور یہ امنِ عالم کا امین اور تکریمِ انسانیت کا نقیب ہے۔ یہ کسی خاص گروہ کے نعرے نہیں، یہ کسی مخصوص مکتبۂ فکر کے دعوے نہیں...... کوئی سٹیج ہو کہ منبر، کوئی جلسہ ہو کہ مذہبی تقریب، کوئی دفتر ہو کہ مکتب، ہر جگہ ایک ہی ندا ہے، ہر جگہ یہی صدا ہے کہ اسلام ہی وہ عدیم النظیر اور بے مثل ضابطۂ حیات ہے کہ دنیا بھر کے مفکرین، سیاسیئن اور مصلحین اپنی تمام تر عرق ریزیوں اور جگر سوزیوں کے باوجود ایسا نظام تشکیل نہیں دے سکتے لیکن آج سے قریب پچاس ساٹھ سال پہلے جب ہم نے ان نعروں، دعووں اور جذبات کے طوفانِ بلاخیز کی امواجِ متلاطم کے خلاف کھڑے ہو کر اپنی حالت پر غور کیا تو ہمیں نظر آیا کہ ہماری اپنی ہی حالت ایسی نہیں کہ دنیا کے سامنے اس حقیقت کو جس کے سچ ہونے میں کوئی کلام نہیں ببانگِ دھل پیش کر سکیں۔ ہم نے فیصلہ کیا کہ اعتقادات اور تصورات کی دنیا میں نہیں بلکہ حقائق و واقعات کی دنیا میں یہ دعویٰ سچ کر دکھائیں گے کہ اسلام ہی وہ ضابطۂ حیات ہے جس کی تعلیمات بے مثل و بے نظیر ہیں۔ یہ تھا وہ جذبۂ محرکہ جس کی بناء پر اقبالؒ نے ایک علیحدہ مملکت کا تصور پیش کیا کہ اس طرح ہم اسلام کو ایک ریاست میں عملاً نافذ کر کے لوگوں کے لئے ایک نمونہ قائم کر سکیں گے، کہ دیکھو! ...... یہ ہے

اسلام اور ایسی ہوتی ہے ایک اسلامی مملکت! .... یہ درست ہے کہ اسلامی مملکت کی تمام روایات ہی بڑی شاندار ہوتی ہیں۔ لیکن لوگوں کے لئے رزق یعنی سامانِ زیست مہیا کرنا اس کا طرۂ امتیاز ہوتا ہے ...... اسلامی مملکت کے اس وصف کی تشریح کرتے ہوئے، وہ قائداعظمؒ کو لکھتے ہیں:-

"..... شریعت اسلامیہ کے طویل و عمیق مطالعے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اسلامی قانون کو معقول طریق پر سمجھا اور نافذ کیا جائے تو ہر شخص کو کم از کم معمولی معاش کی طرف سے اطمینان ہو سکتا ہے ......"

بحوالہ "روٹی کا مسئلہ اقبالؒ کی نظر میں" (طلوع اسلام اپریل ۱۹۵۷ء)

اقبالؒ کے تصور کے مطابق اسلام کے نام پر پاکستان بنا۔ اس کی مابہ الامتیاز خصوصیت بھی وہ ہی ہونی چاہیئے تھی جو کہ ایک اسلامی مملکت کی ہوتی ہے، یعنی تمام لوگوں کی ضروریاتِ زندگی پوری کرنا ..... لیکن یہاں ہوا کیا! وہ ہی کچھ ہوا جو کہ نظامِ سرمایہ داری میں ہوتا ہے

تیرے جہاں میں ہے وہی گردشِ صبح و شام ابھی
خلق خدا کی گھات میں رند و فقیہہ و میر و پیر

بندہ ہے کوچہ گرد ابھی خواجہ بلند بام ابھی
تیرے امیر مال مست تیرے فقیر حال مست

دانش و دین و علم و فن بندگئ ہوس تمام
عشق گرہ کشائے کا فیض نہیں ہے عام ابھی

عقلِ عیار کی فسوں سازی سے دولت چند ہاتھوں میں محصور و مقیّد ہو کر رہ گئی اور انسانوں کی ہی ایک مختصر جماعت اپنے جیسے کروڑوں انسانوں کی ناخدا قرار پائی ....

پاکستان میں دولت کی تقسیم

پاکستان میں دولت کی تقسیم کا کیا حال ہے اس کا اندازہ مندرجہ ذیل رپورٹ سے لگائیے:-

۱۹۶۰ء کے لگ بھگ وزارتِ مالیات کے ایک اعلیٰ افسر مسٹر ظہیر الدین نے کریڈٹ کمیٹی کی رپورٹ میں یہ انکشاف کیا کہ جدولی اور تجارتی بنکوں نے عوام کی امانتوں میں سے جو روپیہ کاروباری طبقے کو ادھار دینے کے لئے مخصوص کر رکھا ہے اس میں سے بڑی بڑی رقوم چند خاندانوں کے افراد نکال کر لے جاتے تھے۔ کمیٹی نے مثال کے طور پر بتایا کہ ۲۲ دسمبر ۱۹۵۷ء کو صرف ۲۳ نفوس ایسے تھے جنہیں ۳۳ کروڑ ۸۳ لاکھ روپے بطور قرض دیئے گئے۔ اسی طرح ۳۱ مارچ ۱۹۵۹ء تک ۴۱ کروڑ ۷۹ لاکھ روپیہ ۳۱ افراد میں تقسیم ہوا۔ ۳۱ دسمبر ۱۹۶۱ء تک قرض لینے والوں کی تعداد ۴۱ ہو گی لیکن مجموعی طور پر ان کو ۶۱ کروڑ ۹۲ لاکھ روپیہ ملا۔ اس سے چند ماہ بعد ۳۱ مارچ ۱۹۶۲ء کو قرض لینے والوں کی تعداد میں صرف ایک کا اضافہ ہوا۔ لیکن ۴۲ افراد کا حصہ رسدی ۷۹ کروڑ ۵۳ لاکھ روپیہ بنا۔ اس کے مقابلے میں جن کھاتہ داروں کو پچاس لاکھ روپیہ

سے کم ادھار ملا ان کی تعداد ۹۰۰ ۲ تھی بایں ہمہ وہ ۴۰ کروڑ روپیہ سے زیادہ قرض کے مستحق نہ سمجھے گئے۔ سب سے زیادہ بے انصافی نچلے طبقے سے ہوئی جس کی تعداد یوں تو لاکھوں تک پہنچتی ہے لیکن اسے ۵۳ ہزار روپیہ سے زیادہ قرض نہیں ملتا۔ چنانچہ کریڈٹ کمیٹی کی رپورٹ کے مطابق اس طبقہ کے لوگوں کو مجموعی طور پر ۲۰ کروڑ ۴۱ لاکھ روپیہ قرض دیا گیا۔ اسی تحقیق کی بنا پر کریڈٹ انکوائری کمیشن نے لکھا کہ بنکوں نے اپنا ۷۰ء۶۲ فیصد سرمایہ صرف ۲۲۲ حساب داروں کے کھاتہ میں پھنسا رکھا ہے اور چھوٹے قرض خواہوں کا حصہ ۶ء۵ فیصد سے زیادہ نہیں۔ بازار حصص کے ذریعے اربوں روپے کا جو سرمایہ جمع ہو کر صنعت وتجارت کے میدانوں کو سیراب کرتا ہے اس کے منبع پر بھی معدودے چند افراد قابض ہیں کیونکہ انہوں نے جو شراکتی ادارے اور لمیٹڈ کمپنیاں بنا رکھی ہیں ان کے بیشتر حصص پر ان کی یا ان کے عزیز رشتہ داروں کی اجارہ داری قائم ہے۔ (بحوالہ ۲۲ خانوادے: اے آر شبلی ص ۱۷۔ ۱۸)

یہ کتاب ۱۹۷۲ء میں شائع ہوئی تھی۔ اس میں مصنف دعویٰ کرتا ہے کہ پاکستان کی اسی فیصد سالانہ پیداوار پر ۳۰ خانوادے متصرف ہیں۔ مثلاً ۱۹۷۱ء کے اواخر تک پاکستان کے ۳۶ شیڈول بنکوں میں عوام کا ۱۵ ارب ۳۰ کروڑ روپیہ جمع تھا۔ اس سرمائے میں سے ۱۲ ارب روپیہ ادھار کھاتے میں تھا (گویا ۸۰ء۷۵ فیصد) لیکن سب کا سب ۳۰ خانوادوں میں بانٹ دیا گیا۔ (ص ۷۲)

اس کے علاوہ ایک بڑی اہم بات یہ ہے کہ یہ لوگ ان بڑے بڑے اداروں میں بھی نظر آتے ہیں جہاں وہ سرمائے کی فراہمی اور صنعت وتجارت کے سلسلے میں سرکاری فیصلوں پر بھی اثر انداز ہو سکتے ہیں۔ یہ لوگ نہ صرف اسی فیصد سالانہ پیداوار پر قابض ہیں بلکہ اس کی تقسیم وفروخت بھی زیادہ تر انہی کے ذریعے سے عمل میں آتی ہے۔ یہ لوگ ہی باہر سے مال درآمد کرتے ہیں اور من مانی قیمتیں مقرر کرتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ عام استعمال کی چیزوں کے نرخ بلاوجہ بڑھتے رہتے ہیں۔ اس طرح امیر تو امیر تر بنتا چلا جا رہا ہے اور غریبوں کو بدستور ایثار وقربانی کا سبق دیا جا رہا ہے۔

دولت کے ایسے ارتکاز واکتناز کے نتائج کیا نکلتے ہیں یہ معلوم کرنے کے لئے کسی نجومی کی ضرورت نہیں۔ آج غریبوں کے کسی محلے کا جا کر جائزہ لیجئے۔ لوگوں کی حالت نہایت ہی افسوسناک اور قابلِ رحم ہے۔ عوام کی قلیل اجرت، غلیظ مکان اور ان کے پیٹ بھر روٹی کو ترستے ہوئے بچوں کا نظارہ کس نے نہیں دیکھا۔ چند تنگ وتاریک گلیاں جن کے وحشت زا طلسمِ سکوت کو رہ رہ کر یا تو لاغر ونیم برہنہ بچوں کی چیخ وپکار یا کسی پردہ نشیں بڑھیا کی لجاجت آمیز صدا توڑتی ہوگی جس کی سوکھی اور مرجھائی ہوئی انگلیاں برقعہ میں سے نکل کر خیرات کے لئے پھیلی ہوئی ہوں گی۔ ذرا الم زدہ گھروں کے اندر جا کر تو دیکھو! صدہا مرد اور عورتیں ایسی

پاؤگے جنہوں نے اچھے دن کبھی دیکھے ہی نہیں۔ لیکن غیرت اور خودداری اس کی اجازت نہیں دیتی کہ کسی کے آگے ہاتھ پساریں...... افسوس...... صد افسوس!!

اس جہنمی معاشرے کے جھلس دینے والے شعلوں کے کرب سے مجبور ہو کر کہیں کوئی معمولی تنخواہ پانے والا مزدور بھوک سے تنگ آکر اپنے ہاتھوں اپنے ہی بچوں کو نہر میں ڈبو کر ہلاک کر رہا ہے۔ کہیں کوئی نوجوان اسی ہی قسم کے حالات سے مجبور ہو کر دیواروں سے سر ٹکرا ٹکرا کر مرجانا چاہتا ہے۔ کہیں کوئی بال بچوں والی خاتون، برسوں کی بیماری اور فاقوں سے تنگ آکر خودکشی کر رہی ہے[۱]۔ لاہور میں ایک بچی علاج معالجے کی عدم موجودگی کی بناء پر دم توڑ دیتی ہے اور مسلمان اس کے کپڑے اور کفن لے کر فرار ہو جاتے ہیں۔ لاکھوں کے اس شہر میں کسی کو نہ اس بچی سے ہمدردی ہے نہ اس کی ماں سے[۲]۔ اور یہ سب اس لاہور میں ہوتا ہے جہاں اس رسولؐ کے لاکھوں نام لیوا بستے ہیں جس نے فرمایا تھا کہ،

"جس بستی میں ایک فرد نے بھی رات بھوکے بسر کی اس بستی کی حفاظت کی ذمہ داری خدا کے ہاں سے ختم ہوگئی"۔

یہ سب کچھ رمضان کے مہینے میں ہوتا ہے جس میں ختم قرآن کی محفلوں میں تزئین و آرائش پر ایک ایک رات میں لاکھوں روپے خرچ کر دیئے جاتے ہیں۔ آگے چلئے کہیں سولہ سولہ دن کے بچے بھوک سے بلک رہے ہیں۔ لیکن پورے معاشرے میں ان کی داد رسی کرنے والا کوئی نہیں[۳] اور تو اور ۲۴ جولائی ۱۹۷۸ء کو نوائے وقت میں یہ خبر شائع ہوتی ہے کہ ایک غریب بیس سالہ نوجوان ملازمت نہ ملنے سے دل برداشتہ ہو کر مینارِ پاکستان سے چھلانگ لگا کر خودکشی کر لیتا ہے[۴]......

بیس سالہ نوجوان..... ملازمت کا عدم حصول...... اسلام کے نام پر بننے والا ملک...... مینارِ پاکستان...... اور پھر خودکشی...... یہ سب کچھ جان کر جو دل پر گزرتی ہے اس کے متعلق اس سے زیادہ کیا کہا جا سکتا ہے کہ، ؎

ایک جلنے کے سوا اور کوئی کیا جانے
حالتیں کتنی گزر جاتی ہیں پروانے پر

یہ درست ہے اور ہم بھی تسلیم کرتے ہیں کہ خودکشی جرم ہے اور اس کا ارتکاب کرنے والے کو سزا ملنی چاہیئے لیکن جب کسی کو تلاش و کوشش کے باوجود روزگار نہیں ملتا، سر چھپانے کو چھت نہیں ملتی تو کیا اس وقت بھی یہ کسی کا فریضہ ہوتا ہے کہ نہیں کہ بیروزگار کے لئے روزگار فراہم کرے۔

(تفصیل کیلئے دیکھئے) ص۱ طلوع اسلام جولائی ۱۹۵۷ء "لمعات"۔ ص۲۔ طلوع اسلام مارچ ۱۹۶۴ء "حقائق و عبر" ص۳ طلوع اسلام نومبر ۱۹۶۴ء "حقائق و عبر"۔ ص۴ طلوع اسلام ستمبر ۱۹۷۸ء "لمعات"۔ مختلف اخباری خبروں کی طرف اشارہ ہے جن سے معاشی ناہمواریوں کے پیدا کردہ نتائج سامنے آتے ہیں۔

بہ دیگر صورت اس کے کھانے کے لئے روٹی اور رہنے کے لئے مکان کا انتظام کرے؟ کیا پاکستان اس لئے بنا تھا کہ ایک طرف تو اس شخص سے جس کے پاس نہ پیٹ بھر کھانے کو روٹی ہو نہ اپنے علاج کے لئے پیسہ اس سے تو وعظ کہے جائیں دوسری طرف مذہبی پیشوائیت ذرائع پیداوار کی تحدید کو یکسر غیر اسلامی تصور اور ان کو قومی ملکیت میں لینے کے جہال کو ابلیسی حربے قرار دے کر اس طبقے کو کھلی چھٹی دے دے جو ایسے حالات پیدا کرنے کا ذمہ دار ہے۔ بانیٔ پاکستان نے تو ایسا نہ چاہا تھا بلکہ قائداعظمؒ نے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ پاکستان میں نہ تو مذہبی پیشوائیت چلے گی نہ ہی سرمایہ داری بلکہ فرمایا تھا کہ اگر پاکستان میں سرمایہ داروں کی لوٹ کھسوٹ اور بدمستیاں ہی ہونا ہیں تو میں ایسا پاکستان بنانے سے باز آیا!

آپ نے نظام سرمایہ داری کے نتائج دیکھ لئے۔ اب ہم قرآن کی بارگاہ میں چلتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ وہ اس سسکتی بلکتی تڑپتی انسانیت کیلئے کیا نظام تجویز کرتا ہے جس سے نہ صرف انسان کی آخرت سنور جاتی ہے بلکہ دنیا بھی جنت نگاہ بن جاتی ہے۔

اکتنازِ دولت:

دولت جمع کرنے پر قرآن نے سخت عذاب کی وعید سنائی ہے۔ سورۃ توبہ میں ارشاد ہوتا ہے:-

وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ۹/۳۴

(اے رسولؐ) ان لوگوں کو جو سونے چاندی (دولت) کے ڈھیر جمع کرتے رہتے ہیں اور اسے نوع انسان کی بہبود کے لئے عام نہیں کرتے، الم انگیز عذاب کی خبر سنا دو۔

سورۃ المعارج میں اس ہی حقیقت کی وضاحت کرتے ہوئے کہا ہے کہ!

جو شخص مال جمع کرتا ہے اور اسے سمیٹ کر رکھتا ہے یوں نظامِ خداوندی سے گریز کی راہیں نکالتا ہے اسے جہنم آوازیں دے دیکر بلاتی ہے۔ (۷۰/۱۷-۱۸)

سورۃ الھمزۃ میں کہا گیا ہے کہ جو شخص دولت اکٹھی کرتا ہے اور پھر اسکو گنتا رہتا ہے:

اَلَّذِیْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ (۱۰۴/۲)

اس کے لئے تباہی ہے!

خود حضورِ پاکؐ نے بھی ساری زندگی دولت جمع نہیں کی بلکہ آپ نے فرمایا:-

يَقُولُ ابْنُ آدَمَ مَالِي مَالِي وَهَلْ لَكَ يَا ابْنَ آدَمَ مِنْ مَالِكَ إِلَّا مَا أَكَلْتَ فَأَفْنَيْتَ أَوْ لَبِسْتَ فَأَبْلَيْتَ أَوْ تَصَدَّقْتَ فَأَمْضَيْتَ

(ص ۳۹-۳۸ طلوع اسلام فروری ۱۹۵۸ء)

آدم کی اولاد کہتی ہے میرا مال میرا مال حالانکہ اے آدم کی اولاد تیرا مال اس کے سوا کیا ہے

جو تونے کھا لیا اور کھا کر ختم کر دیا۔ یا پہن لیا یا پہن کر پھاڑ دیا یا دوسرے ضرورت مندوں کی ضروریات پوری کرنے کے لئے دے دیا اور اس طرح سے آگے بھیجدیا۔

یہ کچھ تو کہا گیا ہے اکتناز دولت کے متعلق۔ دوسری طرف قرآن اکتناز کے مقابلے میں انفاق کا لفظ لیکر آتا ہے۔ قرآن میں بارہا انفاق فی سبیل اللہ کو باعث شرف و مجد قرار دیا گیا ہے بلکہ اس کو تو متقین کا لازمی وصف قرار دیا گیا ہے۔ (۳/۲)

سورۃ البقرۃ میں خدا فرماتا ہے:۔

يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ط قُلِ الْعَفْوَ ط ۲/۲۱۹

یہ تجھ سے پوچھتے ہیں کہ کس قدر اللہ کی راہ میں کھلا رکھیں ان سے کہو کہ اپنی محنت کی کمائی میں سے بقدر اپنی ضروریات کے اپنے لئے رکھو اور جس قدر ان سے زائد ہو سب کا سب نوع انسان کی پرورش کے لئے کھلا رکھو۔

یہاں تک تو بات تھی اکتناز دولت اور "انفاق فی سبیل اللہ" کی۔ دولت کی گردش کے لئے بھی یہ اصول دیا کہ:۔

كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً م بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ ط .....(۵۹/۷)

ایسا نہ ہو کہ یہ دولتمندوں کے طبقے میں ہی گردش کرتی رہے۔

اس کی گردش دوران خون کی طرح معاشرے کی رگ رگ میں ہونی چاہیئے۔ بہر حال قرآنی تعلیمات پر عمل کرنے سے ایک ایسا معاشرہ وجود میں آتا ہے جس میں اکتناز دولت تو ایک طرف رہی مومنین کی یہ حالت ہوتی ہے کہ:۔

يُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ط (۵۹/۹)

یہ مومنین دوسروں کی ضروریات کو اپنی ضروریات پر ترجیح دیتے ہیں خواہ انہیں خود تنگی سے ہی گذارہ کیوں نہ کرنا پڑے ایسی تھے مومنین کا شعار رہے۔

ان تعلیمات کو پیش نظر رکھنے سے نہ دولت جمع ہو سکتی ہے نہ ہی قاتل شرف انسانیت رذائل جنم لے سکتے ہیں۔

اس مقام پر ایک اور حقیقت پیش نظر رکھنا بھی ضروری ہے۔ وہ یہ کہ نظام سرمایہ داری اس وقت جنم لیتا ہے جب ذرائع پیداوار انفرادی ملکیت میں رہیں۔ قرآن کی رُو سے ذرائع رزق پر کسی کی ملکیت ہو ہی نہیں سکتی ......

ویسے بھی انسانی تمدن کے شروع کے دور میں ملکیت کا لفظ تک نہیں ملتا۔ ان کے ہاں "متاع" کا لفظ استعمال ہوتا تھا جس کے معنی فائدہ اٹھانے کے ہوتے ہیں۔ ضمناً یہ ہی لفظ قرآن نے بھی استعمال کیا ہے جب کہا کہ:۔

وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ۔ (۲/۳۶)

ذرائع رزق بھی اللہ کے عطا کردہ ہیں اور انسانی صلاحیتیں بھی لہٰذا انسان صرف اپنی محنت کا صلہ لینے کا حقدار ہے۔ ذرائع رزق پہ اپنی ملکیت کا دعویٰ کرنے کا مختار نہیں ..... بارہویں پارے کا آغاز ان الفاظ میں ہوتا ہے:۔

وَمَا مِن دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا ۔ (۱۱/۶)

روئے زمین پر کوئی ذی حیات ایسا نہیں جس کے رزق کی ذمہ داری خدا نے نہ لے رکھی ہو۔ دوسری جگہ انسانوں کو براہِ راست مخاطب کر کے کہا کہ:۔

تم افلاس کے ڈر سے اپنی اولاد کو قتل مت کرو۔ ہم ان کے رزق کے ذمہ دار بھی ہیں اور تمہارے بھی۔ (۱۷/۳۱)

یہ ذمہ داری اللہ تعالیٰ براہِ راست پوری نہیں کرتا بلکہ یہ ذمہ داری اس مملکت کے سر ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ کے نام پر لوگوں سے بیعت لیتی ہے۔ اور مملکت اپنی اس عظیم ذمہ داری سے اس صورت میں ہی عہدہ برآ ہو سکتی ہے جب کہ ذرائع پیداوار انفرادی ملکیت کی بجائے اس کی تحویل میں رہیں۔ یہی تو وہ وصف ہے جو وحیٔ خداوندی کی رو سے قائم ہونے والی مملکت کو عقل خود بین کے اختراع کردہ نظام ہائے معیشت سے متمیز کرتا ہے۔ ایسے معاشرے کے پیشِ نظر چند افراد کا نہیں بلکہ پوری نوعِ انسان کا مفاد ہوتا ہے۔ ؎

عقل خود بین غافل از بہبود غیر — سود خود بیند نہ بیند سودِ غیر
وحیٔ حق بینندۂ سودِ ہمہ — در نگاہش سود و بہبود ہمہ

رزق یعنی سامانِ زیست کی شکلیں مختلف ہیں لیکن اگر آپ انہیں سمٹ سمٹا کر پیچھے لے جائیں تو آپ دیکھیں گے کہ اصولی طور پر رزق کا ذریعہ ایک ہی رہ جاتا ہے جسے زمین کہتے ہیں۔ اس لئے قرآن نے ذرائع رزق کو ارض کی اصطلاح سے تعبیر کیا ہے۔ قرآن نے زمین کے متعلق کہا ہے کہ:۔

وَالْأَرْضَ وَضَعَهَا لِلْأَنَامِ (۵۵/۱۰)

زمین کو ہم نے تمام مخلوق کی پرورش کے لئے پیدا کیا ہے۔
پھر ایک اور جگہ اس کے متعلق کہا کہ:۔

سَوَاءً لِّلسَّائِلِينَ (۴۱/۱۰)

زمین کی پیداوار ہر ضرورتمند کے لئے، اس کی ضرورت کے مطابق یکساں طور پر کھلی رہنی چاہیئے۔ کسی پر اس کے دروازے بند نہیں ہونے چاہئیں۔ (۳۹/۶۷، ۶۳-۲۳/۷۳، ۵۶/۷۳)

قرآن نے اسے بھوکوں کے لئے متاعِ حیات، اور نوعِ انسان کے لئے سامانِ رزق کا ذریعہ رِزْقًا لِّلْعِبَادِ (۵۰/۱۱) قرار دیا ہے۔

یہاں سے یہ بات نکھر کر سامنے آگئی کہ قرآن کی رُو سے زمین کو بغیر کسی تخصیص کے تمام نوع انسان کے لئے یکساں کھُلا رہنا چاہیئے۔ حدیث رسول میں بھی تصریح کر دی گئی ہے۔

"زمین اللہ کی ہے اور بندے بھی اللہ کے اس لئے زمین اللہ کے بندوں کے لئے رہنی چاہیئے"۔
(ابو داؤد)

لہٰذا زمین کی انفرادی ملکیت کا تصوّر یکسر غیر قرآنی ہے۔ قرآن نے ذرائع رزق پر جنہیں بہتے چشموں کی مانند تمام نوعِ انسان کے لئے کھُلا رہنا چاہیئے، بند لگنے کو تباہی و بربادی کا باعث قرار دیا ہے۔

پاکستان میں زرعی اصلاحات اور ملکیت زمین کی تحدید کے سلسلے میں مختلف اقدامات کئے جاتے رہے ہیں۔ ۱۹۵۶ء میں پاکستان پلاننگ بورڈ کی طرف سے جو پنج سالہ منصوبہ شائع ہوا تھا اس میں تسلیم کیا گیا کہ زمین پر حقِ ملکیت کا جواز ثابت ہی مشکل ہے اور یہ کہ ایک خاندان کی کاشت کے لئے ۲۵ ایکڑ نہری زمین کافی ہے۔ لیکن اس نے ایک خاندان کے لئے ڈیڑھ سو ایکڑ نہری زمین کی ملکیت کی اجازت بھی دے دی ص۱۔ پھر ایوب خاں مرحوم کا دور آیا انہوں نے جنوری ۱۹۵۹ء کو زرعی اصلاحات کا اعلان کیا جس میں زرعی اراضی کی ملکیت کی تحدید کی گئی۔ بہرحال اس سکیم میں بہت سے ایسے نقائص رہ گئے جو آگے چل کر ایسے چور دروازے ثابت ہوئے جس کی وجہ سے سکیم اپنے مطلوبہ نتائج مرتب نہیں کر سکی۔ ص۲ اس کے بعد یکم مارچ ۱۹۷۲ء کو پیپلز پارٹی کے دور میں، صدر بھٹو نے زرعی اصلاحات کا اعلان کیا۔ جس میں انہوں نے نہری اراضی کی ملکیت فی کس پانچ سو ایکڑ سے کم کر کے ڈیڑھ سو ایکڑ اور بارانی کی ملکیت فی کس ایک ہزار ایکڑ سے گھٹا کر تین سو ایکڑ کر دی انہوں نے جو زمینیں قومیائیں ان کا کوئی معاوضہ نہیں دیا اور کاشتکاروں کو زمین بلا قیمت دینے کا فیصلہ کیا۔ بہرحال ان اصلاحات میں زمین کی ملکیت کی حد افراد کی بنیاد پر قائم کی گئی۔ جبکہ زمین پر افراد کی ملکیت کا تصوّر یکسر غیر قرآنی ہے۔ علاوہ ازیں ان میں اور بھی نقائص اور اسقام رہ گئے تھے۔ (ان کی تفصیل کے لئے دیکھئے طلوع اسلام اپریل ۱۹۷۲ء "زرعی اصلاحات")

یہ تو مسئلہ تھا زرعی آراضی کا۔ پیپلز پارٹی کے دور میں "حکم نامہ معاشی اصلاحات ۱۹۷۲ء" کے تحت کچھ صنعتیں اور ذرائع پیداوار بھی قومی ملکیت میں لے لئے گئے۔ حکومت نے مؤقف یہ اختیار کیا کہ چونکہ معاشی ترقی اور صنعت کاری کے فوائد چند مراعات یافتہ افراد کے ہاتھوں میں مرکوز ہو کر رہ گئے ہیں۔ جس کا خمیازہ عوام کو بھگتنا پڑ رہا ہے اس لئے حکومت کا فرض ہے کہ عوام کے فائدے کے لئے اقدامات کرے تاکہ ان دھندوں

ص۱ تفصیل کے لئے دیکھئے طلوع اسلام ستمبر ۱۹۵۶ء
ص۲ طلوع اسلام اپریل ۱۹۷۲ء

کو دفنا کیا جا سکے جو قیام پاکستان سے اب تک عوام سے برابر کیے جا رہے ہیں ۔۔۔۔
لیکن ان اصلاحات کے متعلق سرکاری طور پر یہ تسلیم کیا گیا کہ ان کا اثر زیادہ سے زیادہ بیس فیصد صنعتوں پر ہوا ہے۔ یعنی اسی فیصد صنعتیں معاشی اصلاحات سے باہر رہ گئی ہیں۔ ان تمام تر اصلاحات کا خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہیں ہو سکا۔ بلکہ الٹی پیداوار میں کمی واقع ہوئی۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ ان اصلاحات کی بنیاد سوشلسٹ نظریے پر تھی۔ اس کے پیچھے اسلامی فلسفہ کارفرما نہ تھا اور جب تک ایسی اصلاحات کے پیچھے وہ جذبۂ محرکہ نہ ہو جو اسلامی تعلیمات کا پیدا کردہ ہوتا ہے۔ ہرگز اور ہرگز کامیابی حاصل نہیں کی جا سکتی۔

زکوٰۃ :

پاکستان کی معاشی مشکلات کا حل تلاش کرتے ہوئے اب ہم زکواۃ کی طرف آتے ہیں۔ جسے اسلامی نظامِ معیشت میں کلیدی حیثیت حاصل ہے۔ زکواۃ کے لفظی معنی GROWTH یا DEVELOPMENT یعنی نشوونما کے ہیں۔ اور یہ ایک نظام ہے جس کے ذریعے لوگوں کو نشوونما کا سامان فراہم کیا جاتا ہے۔ سورۂ حج میں صلواۃ و زکواۃ کے متعلق فرمایا کہ:-

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ
وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ ط (۲۲/۴۱)

یہ وہ لوگ ہیں کہ جب انہیں تمکن فی الارض حاصل ہوگا تو یہ اقامت صلاۃ اور ایتائے زکواۃ کا فریضہ سرانجام دیں گے۔ معروف احکام نافذ کریں گے اور منکر سے روکیں گے۔

یہاں سے یہ ثابت ہوئی کہ اول تو یہ نظام ایک مملکت کے ہونے ہوئے ہی نافذ کیا جا سکتا ہے۔ دوم یہ کہ اسلامی مملکت زکواۃ لیتی نہیں دیتی ہے۔ یعنی سامان نشوونما فراہم کرتی ہے۔ یہ خیال کہ جس قدر جی چاہے مال جمع کر لیا جائے۔ بس اگر اس میں سے ۲½ فیصد دولت غربا کو تھما دی جائے تو مال پاک ہو جائے گا۔ یکسر ایک غیر اسلامی تصور ہے اور پھر اس شرح کو ناقابلِ تغیر سمجھ لینا اور بھی بے معنی ہے۔ اس شرح سے (جیسا کہ مروجہ تصورِ زکواۃ کی رُو سے سمجھا جاتا ہے) کسی صورت میں بھی نادار لوگوں کی ضروریاتِ زندگی پوری نہیں کی جا سکتیں۔ پاکستان میں بھی مروجہ نظریے کے مطابق نظامِ زکواۃ نافذ کرنے کی کوشش کی گئی۔ لیکن اس کے نتائج کیا نکلے اسے خود صدرِ پاکستان کی زبانی سُن لیجئے۔

" زکواۃ اور حدود کے نظام سے اچھے نتائج حاصل ہو رہے ہیں۔ اگرچہ بہت سی توقعات

پوری نہیں ہوئیں۔ زکوٰۃ کی رقم ۳۳ کروڑ روپے وصول ہوئی ہے لیکن گداگروں کی فوج ابھی باقی ہے اور بیواؤں کی بڑی تعداد امداد سے محروم ہے"۔
(جنگ لاہور۔ ۱۱ مارچ ۱۹۸۴ء)

اسلامی مملکت اس ہی وقت تمام لوگوں کو یکساں سامانِ نشوونما فراہم کرسکتی ہے جب کہ ذرائع پیداوار اس کی ملکیت میں رہیں ورنہ وہ ایسا نہیں کرسکتی۔

سود

اب ہم اس بات کا جائزہ لیتے ہیں کہ سود کا قرآنی معیشت میں کیا مقام ہے۔ اس سلسلے میں سود کی تعریف کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ جسے خدا نے براہِ راست قرآن میں متعین کر دیا ہے۔ قرآن کی رُو سے ربٰو کی جامع تعریف ان چند الفاظ کے اندر موجود ہے جو سورۃ البقرہ کی آیت نمبر ۲۷۹ میں آتے ہیں:-

فَلَکُمْ رُءُوسُ اَمْوَالِکُمْ

تمہارے لئے تمہارا راس المال ہے

اس سے پہلے کہا گیا تھا کہ اگر تم ربٰو یعنی سود لینے سے باز نہ آئے تو اللہ اور رسولؐ کی طرف سے تمہارے خلاف اعلانِ جنگ ہے۔ قرآن کی رُو سے ربٰو کے معنی اصل زر پہ کچھ بھی زیادہ لینا ہیں۔ اس کا تعلق صرف قرض کے معاملات سے نہیں۔ یہ ایک جامع اصول ہے اور قرآنی نظام معیشت کی پوری عمارت اسی بنیاد پہ اٹھتی ہے جس کی رُو سے معاوضہ محنت کا ہو سکتا ہے سرمائے CAPITAL کا نہیں......

اب دیکھئے ہمارے ہاں کیا ہوا۔ سود ختم کرنے کی مہم شروع کی گئی اور اس کی جگہ نفع ونقصان سکیم متعارف کرائی گئی لیکن عملاً جو قدم اٹھایا گیا وہ یہ ہے کہ باسود بنکاری میں شرح سود پہلے سے متعین کر لی جاتی تھی اب بلا سود بنکاری میں اس شرح کا تعین منافع (سود) تقسیم کرتے وقت کیا جاتا ہے۔ اصول یہاں بھی وہی کارفرما ہے یعنی اصل زر پہ بغیر کسی محنت کے "زائد" حاصل کرنا۔ یہاں بھی معاوضہ محنت کا نہیں بلکہ سرمائے کا ہی ہے —— صرف نام بدلا ہے پہلے INTEREST (سود) کہا جاتا تھا اب PROFIT (منافع) کہہ دیا جاتا ہے۔ پہلے کی طرح نظام سرمایہ داری اب بھی قائم ہے۔ اس بات کا اعتراف اس زمانے کے وزیر خزانہ غلام اسحٰق خان نے خود کیا۔ پاکستان سوسائٹی آف ڈویلپمنٹ اکانومسٹس کے سالانہ اجلاس میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا:-

"سود کو ختم کرنے کی پوری کوششیں کی جارہی ہیں جب کہ سود کی جگہ منافع کو لے آنا بھی جدید سرمایہ دارانہ طریقہ ہے اور قطعی طور پہ اسلامی نہیں ہے۔ اس لئے ہم سرمایہ داری کو جدید سرمایہ داری

سے بدلنا نہیں چاہتے ؛' (روزنامہ جنگ لاہور ۱۸ مارچ ۱۹۸۴ء)[1]

قرآن کی رُو سے زمین بٹائی پر دینا بھی حرام ہے کیونکہ مزارعت میں محنت تو صرف کاشتکار کرتا ہے لیکن ایک شخص محض مالکِ زمین ہونے کے ناطے پیداوار کا ایک بڑا حصّہ اپنے لئے رکھ لیتا ہے۔ اسی ہی طرح کاروبار میں اگر پیسہ دوسروں کے مال میں شامل کر دیا جائے تو اس سے جو زائد حاصل ہوگا۔ وہ بھی ربٰوا ہے۔ (۳۰/۳۹)

جسے دورِ حاضر کی اصطلاح میں کمرشل انٹرسٹ یا مضاربت (SLEEPING PARTNERSHIP) کہا جاتا ہے۔ اصول ہر جگہ ایک ہی ہے یعنی

لَيْسَ لِلْإِنسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ (۵۳/۳۹)

یعنی انسان صرف اس چیز کا حقدار ہوتا ہے جس کے لئے وہ محنت کرے۔

لہٰذا پاکستان کی معاشی مشکلات کے حل کے لئے ربٰوا کا خاتمہ اشد ضروری ہے کیونکہ سودی کاروبار کی وجہ سے ایک طبقہ کمانے کی صلاحیتوں سے مفلوج ٹھہرا جا رہا ہے اور دوسرا اپنی محنت کا ماحصل کھو کر محروم و معذور لہٰذا اجتماعی دولت میں بے حد کمی واقع ہوتی چلی جا رہی ہے۔ قرآن نے اس حقیقت پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا!

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا أَضْعَافًا مُّضَاعَفَةً (۳/۱۲۹)

(اے جماعت مومنین تم ربٰوا سے باز رہنا کیونکہ اس سے (قومی دولت میں) کمی اور کمزوری واقع ہوتی ہے۔ (اگرچہ انفرادی طور پر ایسا نظر آتا ہے کہ گویا اس سے دولت بڑھ رہی ہو)

بیع (تجارت)

قرآن نے ربٰوا کے مقابلے میں بیع (تجارت) کو حلال قرار دیا ہے۔

وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا ط (۲/۲۷۵)

وجہ یہ ہے کہ بیع میں اصل سرمایہ اور محنت کا معاوضہ دونوں شامل ہوتے ہیں۔ لیکن اس کے برعکس ربٰوا میں محنت کا معاوضہ شامل نہیں ہوتا۔ مختصراً بیع میں راس المال + محنت کا معاوضہ واپس ملتا ہے اور ربٰوا میں راس المال + راس المال کا معاوضہ واپس ملتا ہے یہی وجہ ہے کہ قرآن نے کفار کا یہ دعویٰ کہ إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا رد کر دیا ہے۔ بیع میں محنت کا معاوضہ کیا ہونا چاہیئے اس کا فیصلہ اسلامی حکومت کرے گی۔ اگر محنت سے زیادہ معاوضہ وصول کیا جائے گا تو وہ بھی ربٰوا کے زمرے میں شامل ہوگا۔

---

[1] بحوالہ طلوع اسلام مئی ۱۹۸۴ء

ایک قرآنی نظامِ معیشت کے جتنے بھی بنیادی اجزاء ہوتے ہیں ان پر ہم روشنی ڈال چکے ہیں۔ لیکن ایک بہت بڑی حقیقت جس کو پیشِ نظر رکھنا بہت ضروری ہے وہ یہ ہے کہ اس وقت ہمارا ذہن قرآنی ہے نہ ماحول۔ قرآن کے اصول و احکام قرآنی ذہنیت و تصورات کے حامل افراد کے لئے ہیں۔ وہ قرآنی ماحول اور نظام کے اندر فِٹ ہوسکتے ہیں۔ اگر ہم ان کا اطلاق اپنے موجودہ معاشرے پر کرنے لگ جائیں گے تو وہ ایسا ہی ہوگا جیسے ٹیڑھے پاؤں میں سیدھا جوتا پہنانے کی کوشش کی جائے۔ اس لئے آج ضرورت اس امر کی ہے کہ مسلمانوں بچوں، جوانوں، طالب علموں، دانش وروں کے قلب و دماغ کو قرآنی تعلیمات سے ہم آہنگ کیا جائے، ان کے قلوب کو شمعِ قرآنی کی ضیا پاشیوں سے منوّر کیا جائے، ان کی نگاہوں میں ایسی بجلیاں بھر دی جائیں کہ ان کی آنکھوں کے اشاروں سے ملوکیت، ہامانیت، وقارونیت کے خرمن میں آگ بھڑک اٹھے، ان کے دست و بازو کی قوتیں استبداد کی تمام زنجیریں توڑ پھینکیں جن میں انسانیت صدیوں سے جکڑی چلی آرہی ہے۔ ایسا صرف اور صرف اسی ہی صورت میں ہوسکتا ہے جب ہم قرآن کے رنگ میں رنگ جائیں۔ جیساکہ اقبالؒ نے بہت پہلے کہا تھا۔ ؎

قرآن میں ہو غوطہ زن اے مردِ مسلماں
اللہ کرے تجھ کو عطا جدّتِ کردار
جو حرف قل العفو میں پوشیدہ ہے اب تک
اس دَور میں شاید وہ حقیقت ہو نمودار

(سید اقبال ظفر علوی، انجینئرنگ یونیورسٹی لاہور)

لاہور کے سامعینِ درس متوجہ ہوں

درسِ قرآن بذریعہ وی سی آر (V-C-R) ہر جمعہ کی صبح ۸ بجے ۲۵ بی گلبرگ ۲ لاہور میں ہوتا ہے۔

(ناظم ادارہ طلوع اسلام)

ہمارے علماء کے امریکہ اور یوروپ کے تبلیغی دورے اور حبشہ کے کروڑوں مسلمانوں کے ایمان کو خطرہ

آج کل ہمارے مختلف فرقوں کے علماء بڑی تعداد میں یوروپ اور امریکہ کے تبلیغی دورے کر رہے ہیں، ان دوروں کی تفصیلات اخبارات میں چھپتی رہتی ہیں۔ ان دوروں سے اسلام کی کیا خدمت ہو رہی ہے اور یہ کہ ان دوروں پر اُٹھنے والے لاکھوں بلکہ کروڑوں روپے کے اخراجات کہاں سے پورے کئے جا رہے ہیں تو اس بارے میں عامتہ الناس کو ابھی تک کچھ معلوم نہیں ہو سکا۔ امریکہ کے ایک دورے پر کم از کم چالیس پچاس ہزار روپے فی کس خرچ آتا ہے، اور اگر ان دوروں کا مقصد اسلام کی خدمت ہے تو ایک فرد کے دورے پر جو خرچ اٹھتا ہے۔ اس سے چالیس پچاس مصیبت زدہ مسلمانوں کی مصیبت کو دور کیا جا سکتا ہے۔ لیکن حیرت کی بات ہے کہ ہمارے ان تبلیغی دورے کرنے والے علماء کو اس حقیقت کا علم تک نہیں کہ اس وقت دنیا کے کروڑوں مسلمان قحط سالی کا شکار ہو کر طرح طرح کی مصیبتوں کا شکار ہیں۔ مسلمان تو ان مصیبت زدہ لوگوں کی امداد کو نہیں پہنچ رہے، البتہ عیسائی مشنری، اس سے فائدہ اٹھا رہے ہیں اور خدمت کے پردے میں، انہیں عیسائی مذہب قبول کرنے کی ترغیب دے رہے ہیں ان مصیبت زدہ لوگوں میں حبشہ کے کروڑوں مسلمان باشندے بھی شامل ہیں، جنہوں نے چودہ سو سال سے اپنے ایمان کی حفاظت کی ہے لیکن اب چونکہ مسلمان انہیں بھول چکے ہیں اور عیسائی مشنریوں نے انہیں گھیر رکھا ہے، اس لئے ان کے ایمان کے لئے خطرہ پیدا ہو چکا ہے۔

حبشہ ایک قدیم ملک ہے اور اسے سب سے پہلا اسلامی ملک، ہونے کا شرف بھی حاصل ہے، جب دورِ رسالت میں، مکہ مکرّمہ میں، قریش نے مسلمانوں کے لئے جینا دوبھر کر دیا تھا، تو رسول اللہ صلعم نے انہیں، حبشہ کی طرف ہجرت کا حکم دیا۔ وہاں کے بادشاہ شاہِ نجاشی نے نہ صرف یہ کہ مسلمانوں کو پناہ دی، بلکہ بعد میں اسلامی تعلیمات سے متاثر ہو کر، اسلام بھی قبول کر لیا اور اس طرح جزیرہ عرب سے باہر کے وہ پہلے مسلمان تھے۔

یہی وجہ ہے کہ اگرچہ بعد میں اس ملک پر زیادہ تر عیسائی بادشاہوں کی حکومت رہی ہے لیکن ملک میں ہمیشہ مسلمانوں کی اکثریت رہی ہے اور آج بھی وہاں کی آبادی زیادہ تر مسلمانوں پر مشتمل ہے۔ تازہ ترین اعداد و شمار کے مطابق، حبشہ جو اب ایتھوپیا کے نام سے مشہور ہے، کی کل آبادی چار کروڑ بیس لاکھ ہے۔ جس میں مسلمانوں کا تناسب ۶۵ فیصدی ہے۔ لیکن چونکہ اب بھی حکومت، عیسائی حکمرانوں کے ہاتھ میں ہے، اس لئے مسلمان سیاسی اور اقتصادی لحاظ سے پسماندہ ہیں۔ ان دنوں یہ ملک سخت قحط سالی کی زد میں ہے اور بدقسمتی سے قحط سالی کا زیادہ تر شکار، مسلمان عوام ہیں۔ جن کے مصائب کے بارے میں دوسرے ممالک کے مسلمانوں کو بہت کم علم ہے۔ سب سے پہلے لیبیا کے کرنل قذافی نے ان کی حالتِ زار کی طرف مسلمانوں کی توجہ دلائی چنانچہ جب لیبیا کے اخبارات میں حبشہ کے مسلمانوں کی زبوں حالی کی خبریں چھپیں تو دوسرے عرب ممالک خاص کر سعودی عرب کے ادارے رابطہ العالم الاسلامی نے ان مسلمانوں کے لئے بہت کچھ کیا ہے۔ حال ہی میں وہاں پر رابطہ کی امدادی کارروائیوں کا جائزہ لینے کے لئے رابطہ کے سیکرٹری جنرل ڈاکٹر عبداللہ نصیف نے ملک حبشہ کا دورہ کیا۔ ان کے دورے کی تفصیلات رابطہ کے ہفت روزہ ترجمان، اخبار العالم الاسلامی کی ۱۴ اپریل ۱۹۸۶ء کی اشاعت میں شائع ہوئی ہیں۔

ان تفصیلات کے مطابق رابطہ نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ حبشہ کے مسلمانوں کی خدمت کے لئے وہاں پر رابطہ کا دفتر قائم کیا جائے۔ جس کی وہاں کی حکومت نے بخوشی اجازت دی۔ حبشہ کے دارالخلافہ عدیس آبابا میں رابطہ کے دفتر کے افتتاح کے موقع پر، حبشہ کے وزیر محنت اور سماجی معاملات بھی موجود تھے۔ انہوں نے مسلمان ملکوں کے ساتھ حبشہ کے تعلقات بڑھانے کی اہمیت پر زور دیا۔ چونکہ ان کی تقریر وہاں کی حکومت کی سرکاری پالیسی کے مطابق تھی۔ اس لئے وہاں کے ذرائع ابلاغ نے اسے بڑے نمایاں انداز سے پیش کیا۔ جس سے رابطہ کے سیکرٹری جنرل اور وہاں پر موجود مسلمان ملکوں کے سفارتی نمائندے بڑے متاثر ہوئے۔ رابطہ کے سیکرٹری جنرل صاحب کا کہنا ہے کہ اب حبشہ کے مسلمانوں کو مکمل مذہبی آزادی ہے۔ اس کا اندازہ اس امر سے ہو سکتا ہے کہ جب کچھ عرصہ پہلے وہاں پر ایک عیسائی بادشاہ ہیل سلاسی حکمران تھا، تو مسلمانوں کو مسجدیں تک تعمیر کرنے کی اجازت نہ تھی۔ بلکہ اس متعصب بادشاہ نے تو پہلے سے موجود، بہت سی مساجد کو منہدم کرا دیا تھا۔ حبشہ کے دارالخلافہ عدیس آبابا میں صرف دو مساجد باقی رہنے دی گئیں۔

حبشہ کے موجودہ حکمران، جنہوں نے شاہ ہیل سلاسی کی حکومت کا تختہ الٹ کر اقتدار پر قبضہ کیا ہے، اپنے آپ کو سوشلزم کے علمبردار کہتے ہیں، انہوں نے مسلمانوں کو مکمل آزادی دے رکھی ہے اور اب حبشہ کے دارالخلافہ میں نئی مساجد تعمیر ہو رہی ہیں، جن کی تعداد دو سے بڑھ

بارہ تک پہنچ چکی ہے۔ رابطہ کے سیکرٹری جنرل نے وہاں کے مسلمانوں کو مشورہ دیا ہے کہ وہ سارے ملک کی مساجد کی ایک مشترکہ تنظیم قائم کریں جو اس ملک میں موجود، مساجد کی دیکھ بھال بھی کرے اور جہاں ضرورت ہو نئی مساجد کی تعمیر کا انتظام بھی کرے اس طرح، اس تنظیم کی صورت میں دوسرے ممالک کے مسلمان، ان کی آسانی سے مدد کر سکیں گے۔

حبشہ کے جو علاقے موجود قحط سالی سے زیادہ متاثر ہوئے ہیں ان میں والو اور تجرائی کے مسلمانوں کی اکثریت والے دو صوبے بھی شامل ہیں، قحط سالی کی وجہ سے، وہاں پر بہت سے مسلمان بچے یتیم ہو چکے ہیں۔ رابطہ نے وہاں پر ان یتیم بچوں کی دیکھ بھال کے لئے دو ادارے قائم کرنے کی پیشکش کی، جسے وہاں کی حکومت نے بڑی خوشی سے منظور کر لیا، ان اداروں میں ان یتیم بچوں کی رہائش کے علاوہ انہیں مفت خوراک اور لباس مہیا کیا جائے گا اور ان کی دینی اور بنیادی دونوں قسم کی تعلیمی تربیت کا انتظام ہوگا۔ ان اداروں پر خرچ کا اندازہ کوئی ساٹھ لاکھ ڈالر کے لگ بھگ ہے۔ رابطہ نے ان دونوں اداروں کے قیام پر کام شروع کر دیا ہے۔

رابطہ کی سفارش پر اسلامی ترقیاتی بینک نے وہاں کے دینی مدارس کو ۲۵ لاکھ ڈالر کی امداد دینے کا اعلان کیا ہے، تاکہ یہ مدارس دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ ان مدارس میں تعلیم حاصل کرنے والے طلباء کی دنیاوی تعلیم کا بھی انتظام کیا جا سکے تاکہ وہ معاشی لحاظ سے خود اپنے پاؤں پر کھڑے ہو سکیں۔

دارالخلافہ ادیس ابابا کی سب سے مشہور دینی درسگاہ مدرسہ "الفتح" ہے جبشہ کی حکومت نے اس مدرسے کی توسیع کے لئے ساٹھ ہزار مربع میٹر کا رقبہ بطور عطیہ عنایت کیا ہے، خیال رہے کہ اس مدرسے کا نام الفتح، کرنل قذافی کے انقلاب الفتح کی مناسبت سے رکھا گیا ہے۔ اور افریقہ کے بہت سے ممالک میں اس نام سے کئی دینی مدارس قائم ہو چکے ہیں جنہیں لیبیا کی حکومت کی جانب سے مدد ملتی ہے۔ حکومتِ حبشہ نے بھی دارالخلافہ میں زمین کا اتنا بڑا قیمتی ٹکڑا، کرنل قذافی کے اثر کی وجہ سے دیا ہے۔

تاہم حبشہ کے مسلمانوں کی مدد کرنا، ساری دنیا کے مسلمانوں کا فرض ہے، انہیں اپنا یہ فرض پہچاننا چاہیئے۔ خاص طور پر ان مبلغینِ اسلام کو، جو اسلام کی تبلیغ کے لئے یورپ اور امریکہ جیسے دور دراز کے ممالک کے لگاتار دورے کر رہے ہیں۔ جن پر کروڑوں روپے خرچ ہو رہے ہیں۔ اس وقت حبشہ کے کروڑوں مسلمان، سخت قحط سالی کی مصیبت سے دوچار ہیں، انہیں دوسرے ممالک کے مسلمانوں کی مالی امداد کی سخت ضرورت ہے۔ اس وقت وہاں یورپ اور امریکہ سے آئے ہوئے ہزاروں مشنری ادارے، امدادی کاموں میں مشغول ہیں، یعنی ہمارے علماء جن لوگوں کو اسلام کی تبلیغ کرنے کے لئے یورپ اور امریکہ کے دورے کر رہے ہیں وہ خود، حبشہ کے مصیبت زدہ مسلمانوں کی مدد کرنے کے لئے

حبشہ پہنچے ہوئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان عیسائی مشنریوں کی انسانی خدمات سے، ان مسلمانوں کا متاثر ہونا ایک قدرتی امر ہے۔ اسی لئے خدشہ ہے کہ حبشہ کے مسلمان جنہوں نے صدیوں سے ایک عیسائی ملک میں اپنا ایمان بچا رکھا ہے، وہ ان عیسائی مشنریوں کی امدادی سرگرمیوں سے متاثر ہوکر، کہیں اپنی ایمان کی دولت نہ گنوا بیٹھیں۔ ہمارے علماء کو امریکہ اور یورپ کے دورے کرنے کی بجائے، ان مفلوک الحال مسلمانوں کی امداد کے لئے کچھ کرنا چاہیئے تاکہ حبشہ کے مسلمانوں کو اس نازک وقت میں سہارا مل سکے اور انہیں یقین ہو جائے کہ تمام دنیا کے مسلمان ایک جسم کی مانند ہیں کہ اگر اس کے ایک حصّے کو تکلیف پہنچے تو سارا جسم اس تکلیف کی وجہ سے بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

ابلیس و آدم

پرویز صاحب نے جب سلسلۂ معارف القرآن شروع کیا تو من ویزداں (اللہ) کے بعد دوسری جلد **ابلیس و آدم** کے عنوان سے شائع کی تھی۔ اس کا پہلا ایڈیشن ۱۹۴۹ء میں شائع ہوا تھا اور تیسرا ایڈیشن ۱۹۷۲ء میں۔ اس کے بعد یہ کتاب کمیاب تھی۔ اس لئے اس کا چوتھا ایڈیشن شائع کرنا پڑا۔

کتاب کے مشمولات سے اس کی اہمیت کا اندازہ لگ سکتا ہے۔

۱۔ انسان کی تخلیق۔
۲۔ نظریۂ ارتقا
۳۔ قصّہ آدم۔
۴۔ ابلیس۔
۵۔ شیطان۔
۶۔ جنّات۔
۷۔ ملائکہ۔
۸۔ روح (نفس)
۹۔ وحی (کشف و الہام)۔
۱۰۔ نبوّت اور رسالت۔
۱۱۔ کیا تمام مذاہب سچے ہیں؟

کتاب دستیاب بہترین سفید کاغذ پر طبع ہوئی ہے۔ بڑی تقطیع ضخامت پونے چار سو صفحات۔ جلد مضبوط خوبصورت مزیّن اور مطلّا قیمت فی جلد -/۷۵ روپے علاوہ محصول ڈاک

خطبہ حجتہ الوداع اور مقامِ حدیث

احادیث رسولؐ کے بارے میں علامہ پرویز صاحب مرحوم کا مسلک یہ تھا کہ آپؐ نے خود اپنی احادیث کا کوئی مجموعہ، مرتب کر کے امتِ مسلمہ کے حوالے نہیں کیا تھا۔ جیسا کہ قرآن مجید کے سلسلے میں کیا گیا تھا۔ جو احادیث رسول اللہ صلعم کی طرف منسوب کی جاتی ہیں، ان میں بعد کے لوگوں نے اپنی خواہشات کے مطابق اضافے کئے۔ بعض احادیث میں تو اتنے زیادہ اضافے کئے گئے کہ ان میں خود رسول اللہ صلعم کے اپنے الفاظ بہت کم باقی رہ گئے۔ ان کا یہ خیال بھی تھا کہ اگرچہ کچھ اضافے نیک نیتی سے کئے گئے لیکن بعض اضافوں کے تجزیوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک عجمی سازش کے تحت کئے گئے۔ اس لئے ان کا عقیدہ یہ تھا کہ صحیح احادیث کو پرکھنے کا معیار قرآنِ مجید ہے اور صرف انہی احادیث کو تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ جو قرآن مجید کی تعلیمات کے مطابق ہوں۔ چنانچہ آپ نے بہت سی ایسی احادیث کو جو علماء کے نزدیک صحیح تھیں لیکن ان کی تحقیق کے مطابق، قرآنی تعلیمات کے مطابق نہیں تھیں تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ پرویز صاحب فرمایا کرتے تھے کہ یہ صرف میرا مسلک ہی نہیں بلکہ امتِ مسلمہ کی بہت سی قابلِ احترام ہستیوں نے احادیث کے بارے میں ایسا ہی رویہ اختیار کیا تھا۔ ان ہستیوں میں حضرت امام ابوحنیفہ بانیٔ حنفی مذہب سرِفہرست تھے۔

علماء نے پرویز صاحب کے اس نظریے کی سخت مخالفت کی۔ اور انہوں نے آپ کو منکرِ حدیث کے لقب سے نوازنا شروع کیا۔ اور اسی بناء پر آپ پر کفر کا فتویٰ بھی لگایا گیا۔ لیکن افسوس ہے کہ ان فتویٰ لگانے والوں میں سے کسی نے ان کے نقطۂ نظر کا علمی انداز سے جواب نہ دیا۔ بس یہ حضرات شور ہی مچاتے رہے کہ پرویز صاحب منکرِ حدیث ہیں۔ پرویز صاحب کی وفات کے بعد دوسرے علماء نے تو اس بارے میں خاموشی اختیار کر لی ہے لیکن ڈاکٹر اسرار احمد صاحب اس گڑھے مردے کو دوبارہ اکھاڑ کر، اپنی دوکان چمکانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ علماء کے سامنے خود کتب احادیث سے ایسے دلائل پیش کئے گئے تھے کہ جس کی وجہ سے انہیں خاموش ہونا پڑا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر اسرار صاحب نے حدیث کی کوئی کتاب مکمل

طور پر نہیں پڑھی۔ وگرنہ وہ اپنی دوکان چمکانے کے لئے اس چلے ہوئے کارتوس کا استعمال نہ کرتے۔ ہم ان کی جہالت دور کرنے کے لئے حدیث کے لٹریچر میں سے سب سے مستند ترین حدیث کے بارے میں تفصیلات پیش کرتے ہیں۔ تاکہ وہ اور ان کی قسم کے دوسرے لوگوں میں اگر تھوڑی سی بھی علمی دیانتداری ہے۔ تو وہ ارشادات رسولؐ کو اپنی دوکان کو چمکانے کے لئے استعمال کرنے سے گریز کریں۔

احادیث کے لٹریچر میں سب سے مستند حدیث حجۃ الوداع کا خطبہ ہے۔ جو رسول اللہ صلعم نے ایک لاکھ سے زائد صحابہ کرام کے سامنے ارشاد فرمایا دوسرے الفاظ میں اس حدیث کے ایک لاکھ سے زیادہ راوی تھے۔ جب کہ دوسری احادیث جو احادیث کے مختلف مجموعوں میں جمع کی گئیں، ان کے راویوں کی تعداد زیادہ سے زیادہ تین یا چار تھی۔ لیکن اس سب سے مستند حدیث کے متن میں، مختلف کتابوں میں جو فرق ہے اس سے پرویز صاحب کے نظریے کی تصدیق ہوتی ہے۔ اس فرق کو مختلف مستند کتابوں سے پیش کیا جاتا ہے۔

صحیح بخاری جسے قرآن مجید کے بعد، سب سے زیادہ صحیح کتاب تسلیم کیا جاتا ہے۔ اس میں اس خطبے کو مندرجہ ذیل الفاظ میں پیش کیا گیا ہے:۔

"حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کے دن خطبہ دیا۔ آپؐ نے فرمایا لوگو! یہ کون سا دن ہے؟ لوگوں نے کہا یوم حرام ہے۔ فرمایا کون سا شہر ہے؟ کہا گیا شہر حرام یعنی مکہ مکرمہ ہے۔ فرمایا کون سا مہینہ ہے؟ کہا گیا ماہِ حرام ہے۔ فرمایا۔ تمہارے خون، تمہارے مال، تمہاری آبرو تم پر اسی طرح حرام ہیں جس طرح آج کا یہ دن تمہارے اس شہر اس مہینے میں حرام ہے۔ آپؐ نے یہ کلمات متعدد بار کہے۔ پھر اپنا سر آسمان کی طرف اٹھا کر کہا۔ اے اللہ کیا میں نے پہنچا دیا، کیا میں نے پہنچا دیا۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں مجھے اس ذات کی قسم، جس کے قبضے میں میری جان ہے، آپؐ نے اپنی امت کو یہی وصیت فرمائی تھی کہ جو لوگ حاضر ہیں وہ ان تک پہنچا دیں جو یہاں موجود نہیں۔ میرے بعد کفر کی طرف نہ لوٹ جانا کہ ایک دوسرے کو قتل کرنے لگ جاؤ۔"

(بخاری شریف مترجم شائع کردہ حامد اینڈ کمپنی لاہور جلد اول صفحہ ۴۳۵)

لیکن ہمارے ہاں اس خطبے کا جو متن مشہور ہے، وہ نہ صرف یہ کہ صحیح بخاری کی اس روایت سے مختلف ہے۔ بلکہ پچاس ساٹھ گنا زیادہ بھی ہے۔ علامہ شبلیؒ نے جب اپنی مشہور زمانہ سیرت النبی لکھی تو اس اہم واقعہ کی تفصیلات مرتب کرنے میں انہیں بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ چنانچہ انہوں نے حدیث اور تاریخ کی مختلف کتابوں کو سامنے رکھ کر، اس خطبے کو ان الفاظ میں مرتب کیا۔ "رسول اللہ صلعم نے ارشاد فرمایا:۔

"ہاں جاہلیت کے تمام دستور، میرے دونوں پاؤں کے نیچے ہیں، لوگو! بے شک تمہارا

رب ایک ہے اور بیشک تمہارا باپ ایک ہے، ہاں عربی کو عجمی پر، اور عجمی کو عربی پر، سرخ کو سیاہ پر اور سیاہ کو سرخ پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقویٰ کے سبب سے۔ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور مسلمان باہم بھائی بھائی ہیں۔ تمہارے غلام! تمہارے غلام!! جو خود کھاؤ، وہی ان کو کھلاؤ، جو خود پہنو وہی انکو پہناؤ"۔

"جاہلیت کے، تمام خون باطل کر دیئے گئے اور سب سے پہلے میں اپنے خاندان کا خون ربیعہ بن الحارث کے بیٹے کا خون باطل کر دیتا ہوں۔ جاہلیت کے تمام سود باطل کر دیئے گئے اور سب سے پہلے اپنے خاندان کا سود، عباس بن عبدالمطلب کا سود باطل کرتا ہوں۔ عورتوں کے معاملے میں خدا سے ڈرو، تمہارا عورتوں پر اور عورتوں کا تم پر حق ہے۔ تمہارا خون اور تمہارا مال تا قیامت اسی طرح حرام ہے، جس طرح یہ دن، اس مہینہ میں اور اس شہر میں حرام ہے"۔

"میں تم میں ایک چیز چھوڑتا ہوں۔ اگر تم نے اس کو مضبوط پکڑ لیا تو تم گمراہ نہ ہو گے وہ کیا چیز ہے؟ کتاب اللہ! خدا نے ہر حقدار کو اس کا حق دے دیا ہے۔ اب کسی کو وراثت کے حق میں وصیت جائز نہیں۔ لڑکا اس کا ہے جس کے بستر پر پیدا ہوا زنا کار کے لئے پتھر ہے اور ان کا حساب خدا کے ذمہ ہے۔ جو لڑکا، اپنے باپ کے علاوہ، کسی اور کے نسب سے ہونے کا دعوٰے کرے۔ اور جو غلام اپنے مولا کے سوا، کسی اور طرف اپنی نسبت کرے۔ اس پر خدا کی لعنت ہے۔ ہاں عورت کو اپنے شوہر کے مال میں سے اس کی اجازت کے بغیر کچھ دینا جائز نہیں، قرض ادا کیا جائے، عاریت واپس کی جائے، عطیہ لوٹایا جائے ضامن تاوان کا ذمہ دار ہے"۔

"یہ فرما کر آپؐ نے مجمع عام کی طرف خطاب کرتے ہوئے فرمایا تم سے خدا کے ہاں، میری نسبت پوچھا جائے گا۔ تم کیا جواب دو گے صحابہؓ نے عرض کی، ہم کہیں گے کہ آپؐ نے خدا کا پیغام پہنچا دیا، اور اپنا فرض ادا کر دیا۔ آپؐ نے آسمان کی طرف انگلی اٹھائی اور تین بار فرمایا۔ اے خدا تو گواہ رہنا"۔

(سیرت النبی از علامہ شبلی حصہ دوم صفحات ۱۵۴ تا ۱۵۹)

قرآن مجید میں سورۃ محمدؐ میں اس ارشاد ربانی کے بعد کہا کہ یا تو جنگی قیدیوں پر احسان کر کے، انہیں رہا کر دو یا فدیہ لے کر چھوڑ دو، اسلامی معاشرے سے غلامی کا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر دیا گیا۔ اس لئے اس خطبے میں غلاموں کے بارے میں جو ...ت دی گئیں ہیں وہ صحیح نہیں معلوم ہوتیں۔ کیونکہ ان کے ذریعے، غلامی کو اسلامی ...رے میں پختہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

...مہ شبلی نے یہ خطبہ حدیث اور تاریخ کی مختلف کتابوں کو سامنے رکھ کر تیار کیا ہے۔

تاریخ کی کتابوں میں سے مغازی ابن اسحاق ایک ایسی کتاب ہے جس میں یہ خطبہ پوری تفصیل سے دیا گیا ہے لیکن جو خطبہ علامہ شبلی صاحب نے مرتب کیا ہے، اس سے بڑی حد تک مختلف اور مفصل ہے۔ مورخ ابن اسحاق کے بارے عام طور پر مشہور ہے کہ وہ اسلام کے پہلے مورخ تھے۔ امام بخاری کے اساتذہ کے معاصر تھے۔ لیکن امام بخاری انہیں ایک کمزور راوی خیال کرتے تھے اس لئے ان کی کسی روایت کو قبول نہ کیا (ملاحظہ ہو سیرت النبی از علامہ شبلی ص ۲۳) جس سے اس خطبے کی عبارت کے مستند ہونے کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ اس کا اردو ترجمہ یہ ہے:۔

"لوگو! میری بات سنو، دیکھو، میں جانتا نہیں کہ شاید اس سال کے بعد اس جگہ میں تم سے کبھی ملوں۔ لوگو! سن لو، تمہارے خون تمہارے اموال، ایک دوسرے پر، اپنے رب سے ملنے تک، اس طرح قابلِ احترام ہیں، جس طرح تمہارے لئے یہ دن اور یہ مہینہ قابلِ احترام ہے۔ اور دیکھو تم عنقریب اپنے رب سے ملوگے، وہ تم سے تمہارے اعمال کے متعلق سوال کرے گا اور میں ہر عمل کے متعلق تمام احکام تمہیں پہنچا چکا ہوں، پس جس کے پاس کسی کی امانت ہو، اسے چاہیئے کہ وہ اس امانت کو مانگنے پر اسی شخص کے حوالے کر دے، جس نے امانتدار سمجھ کر رکھی تھی۔"

" دیکھو ہر قسم کا سود، ساقط کر دیا گیا البتہ تمہارا اصل، تمہارے لئے ہے نہ تم زیادتی کرو گے اور نہ تمہارے ساتھ زیادتی کی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کر دیا ہے کہ اب کوئی سود نہیں اور عباس بن عبدالمطلب کا کل سود، ساقط کر دیا گیا۔ جاہلیت میں جو بھی خون تھا وہ بھی ختم کر دیا گیا۔ سب سے پہلا خون، جو میں ختم کرتا ہوں، وہ ابن ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب کا خون ہے اور ابن ربیعۃ نے بنو لیث میں دودھ پیا تھا۔ ہذیل نے اسے قتل کر دیا تھا۔ پس یہ خون جاہلیت کے خونوں میں سے پہلا خون ہے، جس سے میں معافی کی ابتداء کر رہا ہوں۔"

"لوگو! اس کے بعد سنو، شیطان اس بات سے مایوس ہو چکا ہے کہ اب تمہاری اس سرزمین میں کبھی اس کی پرستش کی جائے گی، لیکن اگر اس کی اطاعت کی جائیگی تو وہ تمہارے، ان اعمال سے جنہیں تم حقیر سمجھتے ہو، راضی ہو جائے گا۔ اس لئے تم لوگ، دین کے معاملے میں شیطان سے بچتے اور ڈرتے رہو۔ لوگو! نسئی یعنی حرمت والے مہینوں کو آگے پیچھے کرنا، کفر میں اضافہ کرنا ہے، اس سے وہ لوگ اور بھی گمراہ ہوتے ہیں، جو کافر ہیں، اور جو ایک سال اسے حرام رکھتے ہیں، دوسرے سال حلال کر لیتے ہیں، تاکہ یہ کافر لوگ اللہ تعالیٰ کے مقرر کئے ہوئے مہینوں کی گنتی پوری کر لیں، اس طرح یہ اللہ تعالیٰ کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال اور اس کی حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام قرار دے لیتے ہیں۔ اور یہ بھی سنو کہ زمانہ پھر کر اسی جگہ آ گیا، جہاں اس وقت تھا۔ جب اللہ تعالیٰ نے، زمین و آسمان پیدا کئے تھے اور یہ کہ اللہ کے نزدیک، مہینوں کی

تعداد بارہ ہے جن میں چار مہینے حرمت کے ہیں، تین مسلسل مہینے اور مضر کے نزدیک جو ماہِ رجب ہے یعنی جمادی الاخری اور شعبان کے درمیان کا مہینہ۔"

لوگو! اور سنو! تمہاری عورتوں پر تمہارا ایک حق ہے اور تم پر ان عورتوں کا ایک حق ہے ان پر تمہارا حق یہ ہے کہ وہ تمہارا بستر کسی بھی ایسے شخص کے لئے نہ لگائیں، جسے تم ناپسند کرتے ہو، اور وہ کھلی ہوئی فحاشی اختیار نہ کریں۔ پھر اگر وہ ایسا کریں، تو تمہارے لئے اجازت ہے کہ تم انہیں بستروں میں چھوڑ دو اور اس طرح سزا دو جو ضرب شدید نہ ہو۔ پھر اگر وہ باز آجائیں تو وہ اپنے کھانے اور کپڑے کے سلسلے میں حسن سلوک کے ساتھ مستحق ہیں اور عورتوں کے ساتھ حسن سلوک اور بھلائی کرنے کی نصیحت کرتے رہو۔ کیونکہ وہ تمہارے پاس قیدیوں کی طرح ہیں۔ وہ اپنی ذات کے لئے کسی چیز کی مالک نہیں ہوتیں اور تم نے انہیں اللہ کی امانت کے طور پر پکڑا ہے اور تم نے ان کے ستر کو اللہ کے کلمات کے ساتھ حلال کیا ہے، اس لئے لوگو! میری بات سمجھنے کی کوشش کرو، میں نے تو ہر حکم پہنچا دیا اور تمہارے اندر وہ چیز چھوڑی ہے، کہ اگر اسے مضبوطی سے پکڑے رکھا تو کبھی گمراہ نہ ہوگے، اور وہ کھلی ہوئی چیز ہے یعنی کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہؐ۔"

"لوگو! میری بات سن کر غور کرو۔ خوب سمجھ لو کہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں، لہٰذا کسی بھی آدمی کے لئے اپنے بھائی کی کوئی چیز حلال نہیں، بجز اس کے کہ وہ بطیبِ خاطر کوئی چیز خود دے دے۔ پس تم لوگ اپنے آپ پر کسی بھی حالت میں ظلم نہ کرنا۔ لوگو! بتاؤ میں نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا؟"

"لوگوں نے جواب میں کہا یقیناً یقیناً" اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے اللہ تو گواہ رہنا۔"

(سیرت النبی مرتبہ ابن ہشام ترجمہ غلام رسول مہر جلد دوم ص۴۲۷)

علامہ شبلی نے امام بخاری کے حوالے سے لکھا ہے کہ وہ ابن اسحاق کو معتبر راوی نہیں سمجھتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ خود ان کا بھی یہی خیال ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے، ابن اسحاق کے روایت کردہ خطبہ کی بجائے احادیث کی مختلف کتابوں سے اپنا علیحدہ خطبہ مرتب کیا، جو ابن اسحاق کے روایت کردہ خطبے سے بالکل مختلف ہے۔ لیکن ہمارے ہاں ابن اسحاق کے اس خطبے میں مزید اضافے کئے گئے اور یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ یہ اضافے کس نے کئے۔ ہمارے ہاں حجتہ الوداع کا جو خطبہ رائج ہے۔ اس کا متن یہ ہے :-

"آپؐ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرتے ہوئے، خطبے کی ابتداء یوں فرمائی،

اللہ تعالیٰ کے سوا، کوئی معبود نہیں۔ وہ یکتا ہے، کوئی اس کا ساجھی نہیں۔ خدا نے اپنا وعدہ پورا کیا، اس نے اپنے بندے کی مدد فرمائی اور تنہا اسی کی ذات نے باطل کی ساری مجتمع قوتوں

کو زیر کیا۔ لوگو! میری بات سنو، کیونکہ میں نہیں سمجھتا کہ آئندہ کبھی ہم اس طرح کسی مجلس میں اکٹھے ہو سکیں گے اور میں غالباً اس سال کے بعد حج نہ کر سکوں۔ لوگو! اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ :-

"انسانو! ہم نے تم سب کو، ایک ہی مرد و عورت سے پیدا کیا ہے۔ اور تمہیں جماعتوں اور قبیلوں میں بانٹ دیا کہ تم الگ الگ پہچانے جا سکو۔ تم میں سے زیادہ عزت وکرامت والا، اللہ تعالیٰ کی نظروں میں وہی ہے جو اللہ تعالیٰ سے زیادہ ڈرنے والا ہے۔ چنانچہ نہ کسی عربی کو عجمی پر کوئی فوقیت حاصل ہے نہ کسی عجمی کو کسی عرب پر۔ نہ کالا گورے سے افضل ہے نہ گورا کالے سے۔ ہاں بزرگی اور فضیلت کا کوئی معیار ہے تو وہ تقویٰ ہے"۔

"انسان سارے ہی آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے بنائے گئے تھے۔ اب فضیلت وبرتری کے سارے دعوے، خون و مال کے سارے مطالبے اور سارے انتقام، میرے پاؤں تلے روندے جا چکے ہیں۔ بس بیت اللہ کی تولیت اور حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمات علیٰ حالہ باقی رہیں گی"۔

پھر آپؐ نے ارشاد فرمایا! قریش کے لوگو! ایسا نہ ہو کہ خدا کے، حضور تم اس طرح آؤ کہ تمہاری گردنوں پر تو دنیا کا بوجھ لدا ہو، اور دوسرے لوگ، آخرت کا سامان لے کر آئے ہوں، میں خدا کے سامنے تمہارے کچھ کام نہ آ سکوں گا۔

قریش کے لوگو! خدا نے تمہاری جھوٹی نخوت کو ختم کر ڈالا۔ اور باپ دادا کے کارناموں پر تمہارے فخر و مباہات کی اب کوئی گنجائش نہیں، تمہارے خون و مال اور عزتیں، ایک دوسرے پر قطعاً حرام کر دی گئیں، ہمیشہ کے لئے، ان چیزوں کی اہمیت ایسی ہے جیسی تمہارے اس دن کی اور اس ماہِ مبارک (ذی الحج) کی خاص کر اس شہر میں ہے۔ تم سب خدا کے آگے جاؤ گے اور وہ تم سے تمہارے اعمال کی باز پرس کرے گا"۔

"دیکھو، کہیں میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ تم آپس میں کشت وخون کرنے لگو۔ اگر کسی کے پاس امانت رکھوائی جائے، تو وہ اس بات کا پابند ہے کہ امانت رکھوانے والے کو امانت پہنچا دے۔ لوگو! ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور سارے مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں، اپنے غلاموں کا خیال رکھو، ہاں غلاموں کا خیال رکھو انہیں وہی کھلاؤ، جو خود کھاتے ہو، ایسا ہی پہناؤ۔ جیسا تم پہنتے ہو"۔

"دورِ جاہلیّت کا سب کچھ، میں نے اپنے پیروں تلے روند دیا ہے زمانہ جاہلیّت کے سارے انتقام اب کالعدم ہیں، پہلا انتقام جسے میں کالعدم قرار دیتا ہوں، میرے اپنے خاندان کا ہے ربیعہ بن الحارث کے دودھ پیتے بیٹے کا خون، جسے بنو ھذیل نے مار ڈالا تھا۔ اب میں معاف کرتا ہوں"۔

"دورِ جاہلیت کا سود، اب کوئی حیثیت نہیں رکھتا، پہلا سود، جسے میں چھوڑتا ہوں، عباس بن عبدالمطلب کے خاندان کا سود ہے۔ اب یہ ختم ہو گیا ہے۔ لوگو! اللہ تعالیٰ نے ہر حقدار کو اس کا حق خود دے دیا۔ اب کوئی کسی وارث کے حق کے لئے وصیّت نہ کرے۔

بچہ اسی کی طرف منسوب کیا جائے گا، جس کے بستر پر وہ ہوا جس پر حرامکاری ثابت ہو اس کی سزا پتھر ہے، حساب کتاب اللہ کے ہاں ہوگا۔ جو کوئی اپنا نسب بدلے گا، یا کوئی غلام اپنے آقا کے مقابلے میں کسی اور کو اپنا آقا ظاہر کرے گا، اس پر اللہ کی لعنت۔ قرض قابلِ ادائی ہے۔ عاریتہً لی ہوئی چیز واپس کرنی چاہیئے تحفے کا بدلہ دینا چاہیئے اور جو کوئی کسی کا ضامن ہو وہ تاوان ادا کرے۔"

"کسی کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے بھائی سے کچھ لے، سوائے اس کے، جس پر اس کا بھائی راضی ہو اور خوشی خوشی دے۔ خود پر اور ایک دوسرے پر زیادتی نہ کرو۔"

"عورت کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے شوہر کا مال، اس کی اجازت کے بغیر کسی کو دے۔ دیکھو! تمہارے اوپر، تمہاری عورتوں کے کچھ حقوق ہیں، اسی طرح ان پر تمہارے حقوق واجب ہیں۔ عورتوں پر تمہارا یہ حق ہے کہ وہ اپنے پاس کسی ایسے شخص کو نہ بلائیں، جسے تم پسند نہیں کرتے اور وہ خیانت نہ کریں کوئی کام کھلی بے حیائی کا نہ کریں اور اگر وہ ایسا کریں تو خدا کی جانب سے اس کی اجازت ہے کہ تم انہیں معمولی جسمانی سزا دو اور وہ باز آجائیں تو انہیں اچھی طرح کھلاؤ پلاؤ۔ عورتوں سے بہتر سلوک کرو۔ کیونکہ وہ تو تمہاری پابند ہیں اور خود اپنے لئے وہ کچھ نہیں کر سکتیں۔ چنانچہ ان کے بارے میں خدا کا لحاظ رکھو۔ کہ تم نے انہیں خدا کے نام پر حاصل کیا اور اسی کے نام پر وہ تمہارے لئے حلال ہوئیں۔ لوگو! میری بات سمجھ لو کہ میں نے حقِ تبلیغ ادا کر دیا، میں تمہارے درمیان ایک ایسی چیز چھوڑے جاتا ہوں کہ تم کبھی گمراہ نہ ہو سکو گے اگر اس پر قائم رہے اور وہ خدا کی کتاب ہے اور ہاں دیکھو دینی معاملات میں غلو سے بچنا، کہ تم سے پہلے کے لوگ، انہی باتوں کے سبب ہلاک کر دیئے گئے۔"

"شیطان کو اب اس بات کی کوئی توقع نہیں رہ گئی ہے کہ اب اس کی، اس شہر میں عبادت کی جائے گی۔ لیکن اس کا امکان ہے کہ ایسے معاملات میں، جنہیں تم کم اہمیّت دیتے ہو، اس کی بات مان لی جائے اور وہ اسی پر راضی ہے اس لئے تم اس سے اپنے دین و ایمان کی حفاظت کرنا۔ نماز ادا کرو۔ مہینے بھر کے روزے رکھو، اپنے مالوں کی زکوٰۃ خوشدلی کے ساتھ دیتے رہو، اپنے خدا کے گھر کا حج کرو۔ اور اپنے اہلِ امر کی اطاعت کرو۔ تو اپنے رب کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔"

"اب مجرم خود ہی اپنے جرم کا ذمہ دار ہوگا اور اب نہ باپ کے بدلے بیٹا پکڑا جائے گا نہ بیٹے کا بدلہ باپ سے لیا جائے گا۔

سُنو، جو لوگ یہاں موجود ہیں یہ احکام اور یہ باتیں ان لوگوں کو بتا دیں، جو یہاں نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی موجود نہ ہونے والا، تم سے زیادہ سمجھنے اور محفوظ رکھنے والا ہو۔

اور لوگو! تم سے میرے بارے میں خدا کے ہاں سوال کیا جائے گا بتاؤ تم کیا جواب دو گے؟

لوگوں نے جواب دیا کہ ہم اس بات کی شہادت دیں گے کہ آپ نے امانتِ دین پہنچا دیں۔ اور آپ نے حقِ رسالت ادا کر دیا اور ہماری خیر خواہی کی۔

یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگشتِ شہادت، آسمان کی جانب اٹھائی اور لوگوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے تین مرتبہ فرمایا۔ اے اللہ تو گواہ رہنا۔

خطبے کے اس آخری متن کو ہمارے ہاں کے بعض سودی کاروبار کرنے والے اداروں نے چھپوا کر تقسیم کیا ہے۔ اس سے ان کا مقصد غالباً اپنے سودی کاروبار کے لئے کوئی جواز نکالنا ہوگا۔ ویسے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے یہ متن، ہمدرد فاؤنڈیشن کے شائع کردہ خطبے سے لیا ہے۔ اور حیرت کی بات ہے کہ ہمدرد جیسے تحقیقی ادارے نے بھی اس کے صحیح ماخذ کی طرف اشارہ نہیں کیا۔ اور جیسا کہ واضح ہے یہ ابن اسحاق کے روایت کردہ اس متن سے بھی بڑی حد تک مختلف ہے جو اس سے پہلے نقل کیا جا چکا ہے۔ اور خود ابن اسحاق کے روایت کردہ متن کو علامہ شبلی تک نے مستند نہیں سمجھا اور انہوں نے جو متن خود مرتب کیا ہے وہ اس سے بڑی حد تک مختلف ہے اور پھر قرآن مجید کے بعد سب سے زیادہ صحیح تسلیم کی جانے والی کتاب کا متن بعد میں روایت کردہ متنوں کا دسواں حصہ بھی نہیں اور لطف کی بات تو یہ ہے کہ خطبے کے جس متن کو، یعنی ابن اسحاق کی روایت کردہ عبارت کو جو عام طور پر دوسری روایتوں سے زیادہ صحیح سمجھا جاتا ہے۔ امام بخاری اسے تسلیم نہیں کرتے۔

یہ ہے حدیث لٹریچر کی، اہم ترین حدیث کی علمی حیثیت جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لاکھ سے زیادہ صحابہؓ کے مجمع میں بیان کیا۔ یہ تحقیق علامہ پرویز صاحب کے نظریے کی روز روشن کی طرح تائید کرتی ہیں کہ احادیث رسولؐ میں بعد کے لوگوں نے اپنی مرضی کے اضافے کئے، چاہے یہ اضافے نیک نیتی پر مبنی تھے یا کسی سازش کا نتیجہ۔ ان اضافوں کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ جیسا کہ حجۃ الوداع کے خطبے کے بارے میں امام بخاری کی روایت کردہ حدیث میں اضافے ہوتے چلے گئے ہیں یہاں تک کہ اس کا حجم اصل سے پچاس ساٹھ گنا زیادہ ہو گیا۔

عائلی قوانین اسلام کی روشنی میں

تحریر :۔ جسٹس ریٹائرڈ خلیل الرحمٰن و محمد اقبال چوہدری ایڈووکیٹ

آج کل یہ موضوع زیر بحث ہے کہ متعدد رائج الوقت عائلی قوانین قرآن اور سنّت سے متصادم ہیں ۔ اس ضمن میں خاص کر مسلم فیملی لاز آرڈیننس ۱۹۶۱ء تنسیخ نکاح ایکٹ ۱۹۳۹ء نابالغان کی شادی پر پابندی کا ایکٹ ۱۹۲۹ء کا ذکر کیا جاتا ہے ۔ ہم بھی اس پر اظہار خیال کرنے کی جسارت کر رہے ہیں :

۱۔ اس موضوع پر تفصیلی گفتگو سے پہلے ہم چند نکات کی وضاحت ضروری سمجھتے ہیں اولاً دنیا میں قانون سازی کے دو نظریات کارفرما ہیں ۔ پہلا نظریہ ، نظریۂ محض (ABSOLUTE THEORY) پر مبنی ہے یعنی یہ کہ اگر قانون سازی کے عمل سے کوئی چیز ناجائز قرار دی گئی ہے تو وہ تا ابد ناجائز رہے گی ۔ اور اگر کوئی فعل جائز قرار پایا ہے تو وہ تا ابد جائز رہے گا ۔ دوسرا طریقہ ۔ نظریۂ اضافی (RELATIVE THEORY) پر مبنی ہے ۔ یعنی کہ اگر کوئی چیز آج جائز ہے تو قانون سازی کے ذریعے کل اسے ناجائز قرار دیا جا سکتا ہے ۔ اور اسی طرح کسی ناجائز امر کو جائز قرار دیا جا سکتا ہے ۔

۲۔ قرآن وسنّت پر مبنی آئین سازی کا عمل پہلے نظریہ پر مبنی ہے ۔ یعنی کہ اگر امر قرآن وسنّت کی روشنی میں جائز قرار پایا ہے تو وہ ہمیشہ جائز رہے گا ۔ اور اسی طرح اگر کوئی فعل ناجائز قرار دیا گیا ہے ۔ تو اسے دنیا کی کوئی اتھارٹی خواہ وہ پارلیمنٹ ہی کیوں نہ ہو ۔ جائز قرار نہیں دے سکتی ۔

دوسرے نظریہ کی مثال میں برٹش پارلیمنٹ کا اختیارِ قانون سازی کا حوالہ دیا جا سکتا ہے ۔ برطانیہ میں کل تک غیر فطری فعل قابلِ مواخذہ تھا ، مگر پارلیمنٹ نے اب اسے چند شرائط کے تحت جائز قرار دے دیا ہے ۔

۳۔ دوسرا بنیادی نکتہ یہ ہے کہ قرآنی احکامات کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ اولاً محکمات اور ثانیاً "تلقینی" احکامات۔ محکمات میں حدود اور ان کی سزائیں ورثاء کے حصے۔ زکوٰۃ وغیرہ شامل ہیں۔ تلقینی احکامات میں سائل کو سختی سے نہ جھڑکو۔ یتیم مساکین کا خیال رکھو۔ مسافر اور قیدی کے قیام و طعام کا انتظام کرو۔ غلاموں کو آزادی دلاؤ، اپنے عہد کا پاس کرو۔ شراب نہ پیو وغیرہ شامل ہیں۔ ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اگر کوئی ریاست قانون سازی کے عمل سے ان احکامات کو نافذ کر دے تو ریاست کا یہ فعل قرآن و سنّت کے متصادم نہ ہوگا۔ بلکہ عین منشاء قرآن پر مبنی ہوگا۔

اس ضمن میں سب سے پہلے شراب نوشی کی مثال دی جا سکتی ہے۔ قرآن کی رُو سے اسے تلقینی منکرات میں شامل کیا جا سکتا ہے۔ تاہم قانون سازی کے ذریعے اسے اسلامی ریاست میں قابلِ مواخذہ جرم قرار دیا۔

۴۔ اب آیئے اصل موضوع کی طرف۔ سب سے پہلے مسلم فیملی لاز آرڈی ننس ۱۹۶۱ء کا جائزہ لیتے ہیں۔ اس آرڈی ننس میں کُل ۱۳ دفعات شامل ہیں۔ ہم صرف انہی دفعات پر اظہارِ خیال کریں گے جو چند حلقوں کی رُو سے غیر شرعی ہیں۔ دفعہ ۲ (اے) میں ثالثی کونسل کی تعریف کی گئی ہے۔ اس کی رُو سے ثالثی کونسل سے مراد چیئرمین اور فریقین (میاں بیوی) کے نمائندے مراد ہے۔ پھر دفعہ ۲ (بی) کی رو سے چیئرمین سے مراد چیئرمین یونین کونسل یا ایسا شخص ہے جس کو سنٹرل گورنمنٹ یا صوبائی حکومت چیئرمین کے فرائض ادا کرنے کا حکم دے۔

کچھ لوگوں کے مطابق ثالثی کونسل کی تشکیل غیر شرعی ہے۔ اب آیئے دیکھیں کہ اس ضمن میں قرآنی احکامات کیا ہیں۔ قرآنِ مبین نے میاں بیوی کے درمیان صلح کے ضمن میں دو مراحل کا ذکر کیا ہے۔ سورۃ نساء کی آیت ۱۲۸ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

.... "جب کسی عورت کو اپنے شوہر سے بدسلوکی یا بے رُخی کا خطرہ ہو تو کوئی مضائقہ نہیں اگر میاں اور بیوی آپس میں صُلح کر لیں۔ صُلح ہر حال میں بہتر ہے۔ نفس تنگ دلی کی طرف جلدی مائل ہو جاتے ہیں۔ لیکن اگر تم لوگ احسان سے پیش آؤ اور خدا ترسی سے کام لو تو یقین رکھو اللہ تمہارے اس طرزِ عمل سے بے خبر نہ ہوگا۔"

(ترجمہ محترم مودودی مرحوم)

آپ نے دیکھا کہ ان احکامِ خداوندی میں میاں بیوی کے اختلافات کو ان کی اپنی کوشش سے دُور کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ پھر اسی سورت (النساء) کی آیت (۳۵) میں ارشادِ باری تعالےٰ ہے:۔

".... اگر تم لوگوں کو کہیں میاں اور بیوی کے تعلقات بگڑ جانے کا اندیشہ ہو تو ایک حَکم مرد کے رشتہ داروں اور ایک حَکم عورت کے رشتہ داروں میں سے مقرر کریں وہ دونوں

اصلاح کرنا چاہیں گے تو اللہ ان کے درمیان موافقت کی صورت نکال دے گا۔ اللہ سب کچھ جانتا ہے اور باخبر ہے۔" (ترجمہ محترم مودودی مرحوم)

اس آیت مبارکہ کی تفسیر کرتے ہوئے امام ابوبکر حصاص رازی فرماتے ہیں کہ اس میں اختلاف ہے کہ اس آیت کے مخاطب کون لوگ ہیں۔ چنانچہ سعید ابن جبیر اور ضحاک سے نقل کیا گیا ہے کہ اس آیت کا مخاطب سلطان (ریاست) ہے جس کی طرف میاں بیوی مرافعہ کریں گے۔ یہی رائے امام ابوبکر کی اپنی ہے۔ اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ عورت اور مرد کی طرف سے مقرر کردہ حکم ریاست کے نمائندہ کی موجودگی میں ہی مصالحت کرانے کی کوشش کریں گے اس لئے یہ کہنا کہ ثالثی کونسل کی تشکیل شرع کے خلاف عمل ہے، ہماری ناقص رائے میں درست نہیں ہے۔

۵۔ اب اس آرڈیننس کی دفعہ ۴ کو لیا جائے۔ اس کی رُو سے اگر کوئی بیٹا یا بیٹی اپنے باپ کی زندگی میں فوت ہو جائے تو ان کے بچوں کو دادا کی وراثت میں ان کے ماں یا باپ تک کا حصہ دینا لازم قرار پایا ہے۔ اس دفعہ کو بھی اکثر حلقے غیر شرعی کہتے ہیں۔ سورۃ نساء کی آیت ۸ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

"..... اور جب میراث کی تقسیم کے وقت غیر وارث رشتہ دار اور یتیم اور محتاج آ جائیں تو ان کو بھی کچھ دے دیا کرو اور شیریں کلامی سے پیش آیا کرو۔"

(ترجمہ مولانا فتح محمد خان مرحوم)

اور پھر اسی سورۃ کی آیت ۹۔۱۰ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"...... اور ایسے لوگوں کو ڈرنا چاہیئے جو (ایسی حالت میں ہوں) کہ اپنے بعد ننھے ننھے بچے چھوڑ جائیں اور ان کو ان کی نسبت خوف ہو کہ اُن کو ان کے مرنے کے بعد ان بے چاروں کا کیا حال ہوگا، پس چاہیئے کہ لوگ خدا سے ڈریں اور معقول بات کہیں اور جو لوگ یتیموں کا مال ناجائز طور پر کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں آگ بھرتے ہیں"۔ (ترجمہ مولانا فتح محمد خان مرحوم)

ان آیات کی روشنی میں اگر کوئی ریاست یتیموں کے حصص ان کے دادا کی میراث میں تعین کر دیتی ہے۔ تو یہ قانون بھی اللہ تعالیٰ کے تلقینی احکامات کی روشنی میں شرع کے خلاف نہیں کیا جا سکے گا۔

۶۔ آرڈیننس کی دفعہ ۵ کی رُو سے یہ لازم قرار دیا گیا ہے کہ ہر ایک نکاح جو اسلامک لاء کے مطابق پڑھایا گیا ہو اس کو رجسٹر کرانا لازم ہوگا اس کا طریقہ کار بھی اسی دفعہ میں مہیا کر دیا گیا ہے۔ اور یہ رکھا گیا ہے کہ جو کوئی اس حکم کی خلاف ورزی کرے وہ ۳ ماہ تک قید محض یا جرمانہ جو -/۱۰۰۰ روپے تک ہوگا مستوجب ہوگا۔

اس ضمن میں یہ دیکھنا ہوگا کہ کیا رجسٹریشن کروانے کے احکامات کسی نص اسلامی کے

متصادم تو نہیں اگر ایسا نہیں تو یہ احکامات بہت سی برائیوں اور پیچیدگیوں سے روکنے کی طرف ایک مستحسن قدم ہے۔ میاں بیوی کے درمیان جھگڑوں کی صورت میں عام طور پر فریقین شادی کے عمل سے ہی انکار کیا کرتے تھے۔ اب کم از کم اس ضمن میں رجسٹریشن کا عمل تحریری ثبوت فراہم کرتا ہے، وغیرہ .....

اس لئے یہ حکم معروف کاموں کے زمرہ میں آئے گا۔ قرآن مبین نے اسی ضمن میں حکمرانوں پر یہ لازم قرار دیا ہے کہ وہ معروف کاموں کا حکم دیں۔ اور منکرات سے روکیں۔ "یہ وہ لوگ ہیں کہ جنہیں ہم زمین میں اقتدار بخشیں ..... وہ معروف کا حکم کریں گے اور منکر سے منع کریں گے ..... (سورۃ حج آیت ۴۱)

اسی ضمن میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے سورۃ البقرہ کی آیت ۲۳۲ میں یہ اصول وضع فرمایا ہے کہ مناکحت پر معروف طریقے سے راضی ہونا چاہیئے۔ چونکہ نکاح کے بعد فریقین کے ازدواجی رشتے استوار ہوتے ہیں تو معروف طریقہ یہی سمجھا جائے گا کہ نکاح کا اعلان ہو اور گواہوں کے سامنے ایجاب و قبول ہو۔ لہٰذا نکاح کی رجسٹریشن کو کسی طور غیر معروف طریقہ نہیں کہا جا سکتا۔

۷۔ اب اس آرڈی ننس کی دفعہ ۶ کو لیتے ہیں۔ اس دفعہ کی رُو سے کوئی مرد پہلی بیوی کی موجودگی میں دوسری شادی نہیں کر سکتا تاوقتیکہ ثالثی کونسل تحریری طور پر اس کی اجازت نہ دے۔ اسی سیکشن میں اس طریقہ کار کو بھی متعین کیا گیا ہے جس پر ایسی اجازت لینے کے لئے عملدرآمد ہوتا ہے۔ اس طریقہ کی رُو سے درخواست دہندہ اور اس کی پہلی بیوی یا بیویاں اپنے نمائندے نامزد کریں گی اور اگر اس طرح وجود میں آنے والی ثالثی کونسل مطمئن ہو جائے کہ دوسری شادی ضروری ہے تو اس کی تحریری اجازت دے گی۔ کوئی مرد جو بغیر ثالثی کونسل کی اجازت کے دوسری شادی کرے۔ اس پر لازم ہوگا کہ وہ پہلی بیوی یا بیویوں کا حق مہر ادا کرے اور اس کو ایک سال تک سزا محض بھی دی جا سکتی ہے۔

اس دفعہ کی شرعی حیثیت کو جاننے کے لئے ہم قرآن مبین کی کچھ آیات کا حوالہ دینا ضروری خیال کرتے ہیں۔ سورۃ نساء کی آیت ۱۲۹ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ "اور تم خواہ کتنا ہی چاہو عورتوں میں ہرگز برابری نہیں کر سکو گے تو ایسا بھی نہ کرنا کہ ایک ہی طرف ڈھل جاؤ اور دوسری کو ایسی حالت میں چھوڑ دو کہ گویا ادھر میں لٹک رہی ہے اور اگر آپس میں موافقت کر لو اور پرہیزگاری کرو،

تو خدا بخشنے والا مہربان ہے۔ (ترجمہ مولانا فتح محمد خان جالندھری)

پھر اسی سورۃ النساء کی آیت ۱۲۸ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ اور اگر کسی عورت کو اپنے خاوند کی طرف سے زیادتی یا بے رغبتی کا اندیشہ ہو تو میاں بیوی پر کچھ گناہ نہیں کہ آپس میں کسی

قرار داد پر صلح کر لیں اور صلح خوب چیز ہے اور طبیعتیں تو بخل کی طرف مائل ہوتی ہیں "
(ترجمہ مولانا فتح محمد خان جالندھری)

ان آیات مبارکہ سے دو واضح اصول اخذ کئے جا سکتے ہیں۔ اولاً یہ کہ ایک سے زیادہ شادیوں کی اجازت غیر مشروط نہیں ہے اور ایسی صورت میں بیویوں کے درمیان عدل لازم قرار دیا گیا ہے۔ ثانیاً کسی اختلاف کی صورت میں میاں اور بیوی مشروط صلح بھی کر سکتے ہیں۔ یعنی کہ بیوی کچھ اپنے حق چھوڑ دے اور خاوند اپنے۔ پہلی صورت میں یہ دیکھنا ہوگا کہ عدل سے کیا مراد ہے۔ اس ضمن میں بہت کچھ کہا جا سکتا ہے۔ مگر عام فہم عدل سے مراد بیویوں کے درمیان مساویانہ سلوک ہے۔ مثلاً پہلی بیوی کے بچے اور خاوند کے ذرائع آمدنی کی حدود میں ان کی سوسائٹی میں ایک حیثیت متعین ہو چکی ہے تو دوسری بیوی کے آنے کی صورت میں خاوند کے ذرائع آمدنی وہی رہتے ہوئے اخراجات میں زیادتی کی وجہ سے پہلے بچوں کی متعین شدہ حیثیت متاثر ہوتی ہے تو یہ ان کے لئے بے عدلی تصور ہوگا وغیرہ وغیرہ دوسری صورت میں مشروط صلح پر رضا مند ہونا بھی ایک جامع تصور ہے۔ صلح کی شرائط بشمول کہ بیوی خاوند کو دوسری شادی کی اجازت دے دے کی جا سکتی ہیں۔ یہ جاننا کہ خاوند بیویوں کے درمیان عدل کر سکے گا یا عدل کر رہا ہے، کے بھی کم از کم دو مرحلے ہو سکتے ہیں۔ اولاً یہ کہ دوسری شادی سے پہلے یہ جان لیا جائے کہ اس صورت میں خاوند اپنی پہلی بیوی اور اس کی اولاد سے عدل کر سکے گا۔ ہمارے خیال میں دوسری شادی کی اجازت سے پہلے یہ جان لینا قرآن و سنّت کے خلاف نہیں ہے۔ کیونکہ اگر دوسری شادی کے بعد وہ خاوند بیویوں سے مساویانہ سلوک نہیں کر پاتا۔ تو ان دونوں بیویوں میں سے ایک کو طلاق دینے کے سوا اور کوئی چارہ کار نہ رہے گا۔ ان خیالات کی روشنی میں ہماری ناقص رائے یہ ہے کہ دفعہ ۶ بھی قرآن و سنّت سے کسی طرح متصادم نہیں ہے۔

۸۔ اب ہم آرڈیننس کی دفعہ ۷ کو لیتے ہیں۔ یہ دفعہ طلاق سے متعلقہ ہے اس دفعہ کی رُو سے جب بھی کوئی مرد اپنی بیوی کو طلاق دینا چاہے تو وہ اعلانِ طلاق (جو کہ کسی بھی نوعیت کا ہو) کے بعد چیئرمین یونین کونسل کو اپنے اس فعل کے بارے میں نوٹس دے گا۔ اور اس نوٹس کی نقل اپنی بیوی کو ارسال کرے گا۔ جو شخص اس قانون کی خلاف ورزی کرے گا۔ اس کو ایک سال تک قیدِ محض اور ۵ ہزار روپے تک جرمانہ یا دونوں سزائیں ایک ساتھ دی جا سکتی ہیں۔

طلاق اگر وقت معینہ سے پہلے واپس نہ لی جائے تو بھی چیئرمین کو دیئے جانے والے نوٹس کی تاریخ سے ۹۰ روز تک مؤثر نہ ہوگی۔ چیئرمین نوٹس کی وصولی کے ایک ماہ کے اندر ثالثی کونسل کی تشکیل دے گا جو بیوی اور خاوند کے درمیان مصالحت کرانے میں

تمام اقدام بروئے کار لائے گی۔ اگر بیوی طلاق دیئے جانے کے وقت حاملہ ہو تو بھی طلاق یا نوے روز تک جو بھی عرصہ بعد میں ختم ہو، غیر مؤثر ہو گی۔ اس دفعہ کی رُو سے طلاق مؤثر ہونے کی صورت میں فریقین کو بغیر کسی حلالہ کے دوبارہ نکاح کی اجازت ہو گی۔ تاہم اس قانون میں حلالہ کو لازم قرار دیا گیا ہے، جب طلاق تیسری دفعہ دی جائے۔

اس دفعہ کے بارے میں جو اعتراضات عام طور پر اٹھائے جا رہے ہیں، وہ کچھ یوں ہیں:

(ا) یہ کہ اس دفعہ کی روشنی میں طلاق کے ہر طُہر میں تین بار دیئے جانے کا تصوّر ختم کر دیا گیا ہے۔ اس طریق کار سے فریقین کو رجوع کی آزادی تھی۔ تا آنکہ تیسرے طُہر میں تیسری طلاق دی جاتی

(ب) اسی طرح یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ایک ہی وقت میں طلاقوں کے اعلان کو بھی ختم کیا گیا ہے۔ فقہ کی رُو سے اگر طلاق تحریری طور پر دی جائے اور رجوع کی نیّت واضح نہ ہو تو یہ غیر رجعی طلاق تصوّر ہو گی۔ اس اصول کو بھی اس دفعہ سے ختم کر دیا گیا ہے۔

(ج) خلع یا مبارت کی صورت میں طلاق فقہ کی رُو سے غیر رجعی ہے تاہم اس دفعہ میں اس اصول کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ اسی طرح اظہار اور ایلاء کے اصولوں کو بھی مطلقاً پیشِ نظر نہیں رکھا گیا۔

ان اعتراضات کا تفصیلی جائزہ لینے سے پہلے ہم طلاق کے متعلق قرآنِ مبین کی جملہ آیات کا حوالہ دیتے ہیں۔ اس ضمن میں سب سے اہم آیات سورۂ بقرہ کی آیات $\frac{2}{229}$ ، $\frac{2}{230}$ ہیں ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

$\frac{2}{229}$ ۔ "طلاق دوبار ہے۔ پھر یا تو سیدھی طرح عورت کو روک لیا جائے یا بھلے طریقے سے اسے رخصت کر دیا جائے اور رخصت کرتے ہوئے ایسا کرنا تمہارے لئے جائز نہیں ہے کہ جو کچھ تم انہیں دے چکے ہو، اس میں سے کچھ واپس لے لو۔ البتہ یہ صورت مستثنیٰ ہے کہ زوجین کو اللہ کے حدود پر قائم نہ رہ سکنے کا اندیشہ ہو ایسی صورت میں اگر تمہیں یہ خوف ہو تو وہ دونوں حدودِ الٰہی پر قائم نہ رہیں گے تو ان دونوں کے درمیان یہ معاملہ ہو جاتے میں مضائقہ نہیں کہ عورت اپنے شوہر کو کچھ معاوضہ دے کر علیحدگی حاصل کر لے۔ یہ اللہ کے مقرر کردہ اصول ہیں ان سے تجاوز نہ کریں اور جو لوگ حدودِ الٰہی سے تجاوز کریں وہی ظالم ہیں۔

$\frac{2}{230}$ ۔ پھر اگر (دوبارہ طلاق دینے کے بعد شوہر نے عورت کو (تیسری بار) طلاق دے دی۔ تو وہ عورت پھر اس کے لئے حلال نہ ہو گی۔ الا یہ کہ اس کا نکاح کسی دوسرے شخص سے ہوا اور وہ اسے طلاق دے دے، تب اگر پہلا شوہر اور یہ عورت دونوں یہ خیال کریں کہ حدود پر قائم رہیں گے تو ان کے لئے ایک دوسرے کی طرف رجوع کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ یہ اللہ کی مقرر کردہ حدیں ہیں جنہیں وہ ان لوگوں کی ہدایت کے لئے واضح

کر رہا ہے۔ جو اُس کی حدود کو توڑنے کا انجام جانتے ہیں ''۔

سورہ نور ۲۴/۶ تا ۹ ارشاد باری تعالیٰ ہے :۔

"جو لوگ اپنی بیویوں پر الزام لگائیں، اور ان کے پاس خود ان کے اپنے سوا دوسرے کوئی گواہ نہ ہوں تو ان میں سے ایک شخص کی شہادت (یہ ہے کہ وہ) چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر گواہی دے، کہ وہ (اپنے الزام میں) سچا ہے اور پانچویں بار کہے کہ اس پر اللہ کی لعنت ہو اگر وہ (اپنے الزام میں) جھوٹا ہو اور عورت سے سزا اس طرح ٹل سکتی ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر شہادت دے کہ یہ شخص (اپنے الزام میں) جھوٹا ہے۔ اور پانچویں مرتبہ کہے کہ اس بندی پر اللہ کا غضب ٹوٹے اگر وہ اپنے الزام میں سچا ہو۔"

سورہ مجادلہ (۵۸) کی آیات ۲ تا ۴ میں ارشاد ربانی ہے :۔

"تم میں سے جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں ان کی بیویاں، ان کی مائیں نہیں ہیں۔ ان کی مائیں تو وہی ہیں جنہوں نے ان کو جنا ہے۔ یہ لوگ سخت ناپسندیدہ اور جھوٹی بات کہتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بڑا معاف کرنے والا ہے اور درگزر فرمانے والا ہے۔ جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کریں اور پھر اپنی بات سے رجوع کریں۔ جو انہوں نے کہی تھی کہ قبل اس کے کہ دونوں ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں۔ ایک غلام آزاد کرنا ہوگا۔ اس سے تم کو نصیحت کی جاتی ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔ اور جو شخص غلام نہ پائے وہ ۲ ماہ کے پے درپے روزے رکھے۔ قبل اس کے کہ دونوں ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں۔ اور جو اس پر بھی قادر نہ ہو وہ ۶۰ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔"

سورۃ طلاق (۶۵) میں آیات ۱ تا ۲ سب یوں ارشاد ربانی ہے :۔

"اے نبی جب تم لوگ عورتوں کو طلاق دو تو ان کی عدت کے لئے طلاق دیا کرو اور عدت کے زمانے کا ٹھیک ٹھیک شمار کرو اور اللہ سے ڈرو، جو تمہارا رب ہے (زمانۂ عدت میں) نہ تم ان کو گھروں سے نکالو۔ اور نہ وہ خود نکلیں۔ الا یہ کہ وہ کسی صریح برائی کی مرتکب ہوں۔ یہ اللہ کی مقرر کردہ حدیں ہیں اور جو کوئی اللہ کی حدود سے تجاوز کرے گا۔ وہ اپنے اوپر خود ظلم کرے گا۔ تم نہیں جانتے کہ شاید اس کے بعد اللہ (موافقت کی) کوئی صورت پیدا کر دے اور پھر جب وہ اپنی (عدت کی) مدت کے خاتمہ پر پہنچیں تو یا انھیں بھلے طریقے سے روک رکھو یا بھلے طریقے سے جدا ہو جاؤ اور دو ایسے آدمیوں کو گواہ بنالیں۔ جو تم میں صاحبِ عدل ہوں اور گواہی ٹھیک ٹھیک اللہ کے لئے دیا کرو ....."

مندرجہ بالا احکاماتِ خداوندی سے یہ بات واضح ہے کہ اگر میاں بیوی کے مابین نباہ کی کوئی صورت نہ نکل سکے تو طلاق مؤثر سمجھی جائے گی۔ تاہم قرآن کریم نے یہ گنجائش رکھی ہے کہ شوہر عدت کے دوران اپنے اس فیصلہ کو واپس لے لے جسے عرفِ عام میں رجوع

کہا جاتا ہے۔ طلاق کی صورت میں عدت کی مدت بھی ۳ ماہ ہے اور اسی مدت کے دوران ثالثی کونسل کو مصالحت کروانے کے لئے مندرجہ بالا دفعہ بھی کہا گیا ہے۔ یہ بات بھی واضح ہے کہ طلاق کے مؤثر ہونے کے بعد یعنی کہ عدت کی میعاد گزرنے کے بعد بھی خاوند اپنے فعل پر نادم ہو تو اسے اجازت ہے کہ تجدیدِ نکاح کر کے ازسرِنو معاہدہ عقد کرے۔ ایسی صورت میں کسی حلالہ کی ضرورت نہیں ہے۔ اب اگر خدانخواستہ دوسری مرتبہ میاں بیوی کے مابین وہی صورت پیدا ہو جائے۔ اور طلاق ایک بار پھر مؤثر ہو جائے تو اللہ تعالیٰ نے یہ رعائت دی ہے کہ خاوند پھر دوبارہ نکاح کر لے۔ دوسری مرتبہ حلالہ کی ضرورت پیش نہ آئے گی۔ اب اگر تیسری بار یہ نوبت پیش آئے تو خاوند اس رعایت کا کہ بغیر حلالہ کے تجدید نکاح ہو سکتا ہے۔ کا مستحق نہ ہو گا۔ اب یہ عورت کسی دیگر مرد سے شادی کرے۔ اور وہ معروف طریقے سے طلاق دے تو خاوند پھر اس سے نکاح کر سکتا ہے۔

ہماری ناقص رائے میں سورہ نساء کی آیت ۲۲۹ میں اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ سے مراد دو مکمل طلاقیں ہیں نہ کہ جزوی طلاق۔ یہی رائے علامہ تمنا عمادی نے اپنے کتابچہ "الطلاقُ مَرَّتٰن" مطبوعہ آرٹ پریس۔ لال باغ روڈ۔ ڈھاکہ ص۱۴۴ پر دی ہے۔ اور چونکہ تنسیخِ نکاح خواہ کسی طریقہ سے وجود میں آئے اسے طلاق کہا جائے گا اس لئے آیات ۲۲۹۔ ۲۳۰ کا اطلاق ہر قسم کی طلاق پر ہو گا۔ ظہار کی صورت میں چونکہ تنسیخ نکاح وجود میں نہیں آتا۔ اس لئے ظہار کا مسئلہ آرڈی ننس کی دفعہ ۷ کے زمرہ میں نہیں آتا۔ اس لئے ہماری ناقص رائے میں آرڈی ننس کی دفعہ ۷ کو بھی قرآن وسنت کے خلاف نہیں کہا جا سکتا۔

۹۔ آرڈیننس کی دفعہ ۸ تفویض کے بارے میں ہے۔ اور چونکہ تفویض کی صورت میں طلاق دیئے جانے کا عمل بیوی سے شروع ہوتا ہے، اس لئے دفعہ ۷ کا اطلاق، اس طلاق پر بھی عائد کر دیا گیا ہے۔

۱۰۔ آرڈی ننس کی دفعہ ۹ عورت کے نان ونفقہ کے متعلق ہے۔ اس کی رُو سے اگر خاوند اپنی بیوی کی کفالت سے انکار کرے تو وہ چیئرمین کو اس ضمن میں درخواست دے سکتی ہے۔ اور چیئرمین اس بارے ایک سرٹیفکیٹ جاری کرنے کا اختیار رکھتا ہے یہ بیوی کے نان ونفقہ کی اس طرح تعین شدہ رقم بطور واجباتِ مالگزاری وصول کئے جا سکتے ہیں۔ یہ دفعہ عین قرآنی احکامات کے مطابق ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خاوند پر لازم قرار دیا ہے کہ وہ اپنی بیوی کا کفیل ہو، تاہم اس ضمن میں مندرجہ ذیل آیات کا حوالہ دیا جا سکتا ہے۔

سورہ نساء (۴) آیت ۳۴

سورہ طلاق (۶۵) آیت ۱ اور ۷

۱۱۔ آرڈی ننس کی دفعہ ۱۲ کی رُو سے بچوں کی شادی پر قدغن کے ایکٹ ۱۹۲۹ میں کچھ ترامیم کی گئی ہیں۔ ان ترامیم کے بعد بچہ سے مراد وہ لڑکا جو ۱۸ سال سے کم عمر کا ہو اور لڑکی جو ۱۶ سال سے کم عمر کی ہو۔ ان قوانین سے بچوں کی شادی کو قابلِ مواخذہ جرم قرار دیا ہے۔ ہماری ناقص رائے میں یہ بھی قرآنی احکامات کے مطابق ہے اور اس سلسلہ میں ایک دلیل یہ بھی دی جاسکتی ہے کہ نکاح ایک سوشل معاہدہ ہے جو ادائیگی حقِ مہر پر مشروط ہے۔ فریقین کے نابالغ ہونے کی صورت میں وہ تکمیلِ معاہدہ کے پابند نہ ہوں گے۔ اس لئے بھی فریقین کا نکاح کے لئے بالغ ہونا ضروری ہے۔ اس ضمن میں ارشادِ ربانی ہے:۔

"اور یتیموں کی حالت پر نظر رکھو کہ انہیں آزماتے رہو یہاں تک کہ وہ نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں، پھر ان میں صلاحیت پاؤ تو ان کا مال ان کے حوالے کر دو"

(ترجمہ مولانا ابوالکلام آزاد بحوالہ ترجمان القرآن)

اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یتیموں کو ان کے اموال حوالے کرنے کے لئے حد مقرر فرمائی ہے کہ جب وہ نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں یعنی بالغ ہو جائیں۔ کیونکہ نابالغ یتیم کو مال واپس کرتے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس سلسلہ میں اسلام کے نامور فقہاء قاضی ابن شبرمہؒ اور ابوبکر الاصمؒ کی رائے پر بھی استدلال کیا جاسکتا ہے جنہوں نے نابالغوں کے نکاح کو ناجائز قرار دیا ہے۔ پھر سورہ نساء آیت ۱۹:۔

اے لوگو جو ایمان لائے ہو تمہارے لئے یہ حلال نہیں ہے کہ زبردستی عورتوں کے وارث بن بیٹھو...."

زبردستی وارث بننے سے مراد ایک ہی ہوسکتی ہے کہ ان کے وارث انکی رضامندی کے بغیر نہ ہو۔ ایک نابالغ لڑکی کی رضامندی کا سوال ہی پیدا نہیں۔ لہٰذا اس سے نکاح کرنا اس کے زبردستی وارث بننے کے مترادف ہے اس کے بعد بھی کہا جاسکتا ہے کہ آرڈی ننس کی دفعہ ۱۲ اور نابالغ کی شادی پر قدغن کا ایکٹ ۱۹۲۹ء قرآن وسنّت کے خلاف نہیں ہے۔

(۱۲) آرڈی ننس کی دفعہ ۱۳ کی رُو سے مسلمانوں کے تنسیخ نکاح کے ایکٹ ۱۹۳۹ کی دفعہ ۲ میں اضافہ کیا گیا ہے۔ اس اضافہ کے بعد ایک مسلمان عورت عدالت سے تنسیخ نکاح کی بوجوہ ڈگری حاصل کرسکتی ہے۔ ان وجوہات کو ۱۹۳۹ء کے ایکٹ کی دفعہ ۲ میں تفصیلاً بیان کیا گیا ہے۔ یعنی ۔

(i) کہ خاوند کا ۴ سال تک کچھ اتہ پتہ معلوم نہ ہو۔

(ii) کہ وہ ۲ سال تک بیوی کا نان ونفقہ ادا نہ کرے۔

(iii) کہ اس نے دوسری شادی ۱۹۶۱ء کے آرڈی ننس میں دیئے گئے طریقہ کار کے خلاف کی ہو۔

(iv) کہ وہ خاوند کے فرائض ادا نہ کرے۔

(v) کہ وہ نامرد ہو۔

(۱۱) کہ وہ اپنی بیوی سے ظالمانہ سلوک روا رکھے۔ وغیرہ وغیرہ، اس ضمن میں کہا جاتا ہے کہ عورت کو تنسیخ نکاح کا مقدمہ دائر کرنے کا حق دینا اسلامی شرع کے منافی ہے۔

ہماری رائے میں یہ نظریہ درست معلوم نہیں ہوتا۔ اس ضمن میں سب سے پہلے ہم قرآن و سنّت کی رُو سے مقاصد نکاح کو دیکھنا چاہتے ہیں۔ نکاح کا پہلا مقصد باہمی مودّت اور سکون و اطمینان کا حصول ہے۔ چنانچہ سورہ روم ۳۰ آیت ۲۱ میں ارشادِ باری ہے:۔

"اور اسی کے نشانات (تصرفات) میں سے ہے کہ اس نے تمہاری جنس کی عورتیں پیدا کیں تاکہ ان کی طرف (مائل ہوکر) آرام حاصل کرو۔ اور تم میں محبّت اور مہربانی پیدا کر دی۔ جو لوگ غور کرتے ہیں۔ ان کے لئے ان باتوں میں (بہت سی) نشانیاں ہیں۔"

پھر سورہ اعراف کی آیت ۱۸۹ میں ارشاد ہوتا ہے:۔

"اللہ ہی تو ہے جس نے ایک جان سے پیدا کیا۔ اور اسی سے اس کا جوڑا بنا دیا۔ تاکہ اسے اس کی طرف سکون و اطمینان حاصل ہوسکے۔"

سورۂ بقرہ کی آیت ۱۸۷ میں ارشادِ ربّانی ہے:۔

"...... وہ عورتیں تمہارا لباس ہیں۔ اور تم ان کا لباس ہو ......"

تو دیکھا کہ قرآنِ مبین کی رُو سے نکاح کا پہلا مقصد سکون و اطمینان کا حصول ہے۔

نکاح کا دوسرا مقصد اخلاق و عفّت و عصمت کی حفاظت ہے۔ جنسی میلان ایک قدرتی امر ہے اور اسلام میں جہاں بے حیائی اور بے راہروی کو منکرات میں شمار کیا ہے وہاں نکاح کی تلقین کی ہے۔ اس سے کسی کو اختلاف نہیں ہوسکتا کہ نکاح، بے حیائی اور بے راہروی کے میلان کے آگے ایک بند ہے۔

سورہ بنی اسرائیل کی آیات ۲۳ تا ۳۹ میں اللہ تبارک تعالےٰ نے عملِ صالح کا ایک جامع چارٹر مہیا کر دیا ہے۔ آیت ۳۲ میں فرمایا گیا ہے:۔

"زنا کے قریب نہ پھٹکو وہ بہت بُرا فعل اور بُرا راستہ ہے۔"

قرآن کریم نے دیگر مقامات پر شادی شدہ مرد اور عورت کے لئے "احصان" (قلعہ بند) کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ نکاح کا تیسرا مقصد افزائشِ نسل ہے اور اس مقصد سے نہ صرف یہ کہ کسی کو اختلاف نہیں ہے بلکہ تمام مذاہب اس پر متفق ہیں اس ضمن میں سورۂ بقرہ کی آیت ۱۸۷ میں ارشادِ ربِّ کائنات ہے:۔

"...... تو اب تم اپنی بیویوں کے پاس جاؤ اور جو کچھ اللہ نے تمہارے لئے مقدر کر دیا ہے۔ (یعنی اولاد) اسے طلب کرو۔"

۱۲۔ اب ہم آرڈیننس کی دفعہ ۱۳ اور ۱۹۳۹ کے ایکٹ پر کئے جانے والے اعتراضات کو لیتے ہیں۔ اگر ایک مرد اور عورت ازدواجی رشتہ میں منسلک ہیں اور قرآن کے متعیّن کردہ مقاصدِ نکاح

کو پورا نہیں کر رہے اور مرد طلاق دینے پر بھی رضامند نہیں تو عورت کو یہ حق دینا کہ وہ عدالت سے رجوع کر کے تنسیخ نکاح کی ڈگری حاصل کرے، کسی طور منشاء قرآن کے خلاف نہیں۔ اس ضمن میں ہم یہ بتاتے جائیں کہ لعان کی صورت میں تنسیخِ نکاح کے حق کو تو خود قرآنِ مبین نے سورۃ نور کی آیات ۶ تا ۹ میں تسلیم کیا ہے۔

مندرجہ بالا سطور کی روشنی میں ہماری ناقص رائے ہے کہ عائلی قوانین کو قرآن وسنّت سے متصادم قرار دینا درست معلوم نہیں ہوتا۔ تاہم ہم یہ واضح کرنا لازم سمجھتے ہیں کہ ہمارا قطعاً یہ نظریہ نہیں کہ عائلی قوانین کو آئین کے آرٹیکل ۲۰۳ ء میں کی گئی قانون کی تعریف سے مستثنٰی رکھا جائے۔ ہماری ناقص رائے میں ہم تبھی اسلامی معاشرہ قائم کرنے میں کامیاب ہو سکتے ہیں جب وفاقی شرعی عدالت کو یہ اختیار حاصل ہو کہ بغیر کسی استثناء کے ہر اس قانون کو کالعدم قرار دینے کا اختیار رکھتی ہو جو قرآن وسنّت کے منافی ہو۔ ارشادِ باری تعالےٰ ہے:

سورہ بقرہ کی آیت ۲۰۸ میں فرمایا ہے:

"اے ایمان والو! تم پورے کے پورے اسلام میں آجاؤ ......"

واللہ اعلم بالصواب۔ وما علینا الّا البلاغ ٥

طاہرہ کے نام خطوط

پرویز صاحب کے خطوط کا سلسلہ ہماری تعلیم یافتہ نئی نسل میں بڑا مقبول ہوا ہے اور ان کے قلب و دماغ میں جو صحیح انقلاب آیا ہے اسکا بیشتر حصّہ انہی خطوط کا رہینِ منت ہے سلیم کے نام خطوط (تین جلدوں میں) نوجوان طلباء کے نام ہیں اور طاہرہ کے نام، طالبات کے لئے جس میں بالخصوص عورتوں سے متعلق مباحث کو قرآن مجید اور علوم حاضرہ کی روشنی میں سلجھایا گیا ہے۔ یہ سلسلہ خواتین کے حلقہ میں بڑی پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے اور انہوں نے اسے بڑا مفید پایا ہے۔ —— قیمت -/۱۰ روپے علاوہ محصول ڈاک ——

(۱) مکتبہ دین و دانش چوک اردو بازار لاہور

(۲) ادارہ طلوعِ اسلام ۲۵/بی گلبرگ ۲ لاہور

حقائق وعبر

۱ علماء اور اسلام کی تبلیغ !

ہمارے مختلف فرقوں کے علماء، پے در پے، یوروپ اور امریکہ کے ممالک میں تبلیغ کے لئے دورے کر رہے ہیں۔ جن لوگوں کو یہ تبلیغ کرتے جاتے ہیں، انہوں نے خود ہمارے ملک میں کیا کامیابی حاصل کی ہے، اس کی تفصیل ان کے ترجمان میسنجر کی رپورٹ سے ملاحظہ فرمائیں۔ جسے روزنامہ امروز نے اپنی ۸ مئی کی اشاعت میں اس عنوان سے شائع کیا ہے :۔

" عیسائی مشنریوں نے بیس ہزار پاکستانی مسلمانوں کو عیسائی بنایا۔" نیچے لکھا ہے :۔

اوٹاوہ ۷ مئی (اے پی) کینیڈا کے ایک مسیحی جریدے نے دعویٰ کیا ہے کہ مسیحی مبلغوں نے اپنے حالیہ دورہ پاکستان میں ۲۰ ہزار مسلمانوں کو عیسائی بنایا جریدہ نے عیسائیوں پر زور دیا ہے کہ وہ دنیا بھر میں مسلمانوں کو عیسائی بنانے کی مقدس مہم میں بھرپور حصہ لیں۔ جریدہ ہارولیسٹ ٹائم میسنجر کیلو ربرٹش کولمبیا) سے عیسائیوں کی ایک تنظیم کے تحت شائع ہوتا ہے۔ جریدے میں تصاویر بھی دی گئیں ہیں جن میں عیسائی مبلغ پاکستان اور بھارت میں بڑے اجتماعات سے خطاب کرتے دکھائے گئے ہیں۔ جریدے میں کہا گیا ہے کہ عیسائی مبلغوں جارج رکھا اور سیموئیل ازاریہ نے کراچی (پاکستان) میں تبلیغ کی اور ان کے سامعین میں ۲۵۰۰۰ تک افراد نے شرکت کی جسے خدا کی قدرت اور حضرت عیسیٰؑ کا معجزہ ہی کہا جا سکتا ہے یہ لوگ مسیحیت کے پیغام سے اس قدر متاثر ہوئے کہ ان کے آنسو بہنے لگے اور انہوں نے مذہب اسلام ترک کر کے اپنی زندگیاں مسیح کے لئے وقف کرنے کا عہد کیا۔ عیسائی مبلغین نے پاکستان میں کل بیس ہزار مسلمانوں کو مسیحی بنایا۔ جریدے نے سوال کیا ہے کہ ایسا کیوں ہوا؟ پھر خود ہی جواب دیا ہے کہ مسلمانوں نے اپنے پیارے مذہب سے اس لئے برگشتگی اختیار کی کہ انہیں حقیقت نظر آ گئی تھی۔ انہیں خدا کا ثبوت مل گیا تھا۔ مسیح نے ان پر اپنی محبت اور قوت ڈال دی تھی۔ جریدے نے بھارت میں بھی تبلیغ کے کرشمے بیان کئے ہیں اور کہا ہے کہ عیسائی مبلغوں نے وہاں بھی ہزاروں افراد کو عیسائی بنایا۔ ان کے محض چھونے سے گونگے بہرے اور اپاہج افراد کو صحت ہو گئی۔ ان عیسائی بننے والوں میں بھی بڑی تعداد مسلمانوں کی تھی۔

(روزنامہ امروز لاہور ۸ مئی ۱۹۸۶ء ص ۸)

طلوع اسلام :۔ ہمیں تو خدشہ ہے کہ یوروپ اور امریکہ کے علماء کے دوروں کے اخراجات بھی مشنری

ادارے ہی برداشت کر رہے ہیں تاکہ مسلمان علماء کو سیر و سیاحت میں مشغول کرکے وہ پاکستان میں اپنا مشن پورا کریں۔

۲۔ اسلام میں ٹیکس

امیر جماعتِ اسلامی پاکستان نے ابھی حال ہی میں اعلان فرمایا ہے کہ جماعتِ اسلامی نے پانچ ہزار افراد کی ایسی تربیت کر دی ہے کہ وہ پاکستان میں اسلامی نظام چلا سکتے ہیں۔ ان کے تربیت یافتہ افراد میں جناب سید اسعد گیلانی، سرِ فہرست ہیں، جنہیں جماعتِ اسلامی نے اپنا نمائندہ بنا کر قومی اسمبلی میں بھیجا ہے۔ اسلامی تعلیمات کے بارے میں ان کا مبلغ علم جاننے کے لئے ان کے مضمون کا یہ حصہ ملاحظہ فرمایئے جو جماعتِ اسلامی کے ترجمان "ترجمان القرآن" بابت اپریل ۱۹۸۶ء میں شائع ہوا ہے:

ٹیکسوں کی وصولی کے متعلق جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پالیسی بنائی تھی اسے حضرت علی کرم اللہ وجہ نے اس طرح نافذ کیا کہ محصلین کو ہدایت کی کہ جب تم لوگوں کے پاس جاؤ تو ان کے گرمی یا جاڑے کے کپڑے یا کھانے کی چیزیں یا سواری کا جانور ہرگز فروخت نہ کرنا۔ وصولی کی خاطر کسی کو ایک کوڑا بھی نہ مارنا نہ کسی کو ایک پاؤں پہ کھڑا کرنا چاہے کتنا ہی خراج کیوں نہ باقی ہو۔ کیونکہ ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے ان کی ضروریات سے فاضل مال ہی وصول کریں۔ اس سے ٹیکسوں کے عاید کرنے اور وصول کرنے کے لئے اسلامی ریاست کی محصول کی پالیسی بالکل واضح ہو جاتی ہے جو استطاعت اور عدم استطاعت کی مناسبت کے اصول پر مبنی ہے۔ ظاہر ہے کہ حضور جو رحمۃ اللعالمین تھے وہ لوگوں کے لئے رحمت کا پیغام ہی لائے تھے اس لئے اسلامی ریاست لوگوں کی بنیادی ضروریات کو نظر انداز کرکے کوئی ٹیکس وصول نہیں کر سکتی۔

ٹیکسوں کا نظام، کسی بھی حکومت کے لئے بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ لیکن حیرت ہے کہ اسلامی نظام کے قائم کرنے والوں کے اس نمائندہ کو اتنا بھی معلوم نہیں کہ امتِ مسلمہ کے تمام علماء اس امر پر متفق ہیں کہ اسلامی ریاست میں کوئی دنیاوی ٹیکس نہیں لگ سکتا۔ اس کے تمام اخراجات، اس بٹائی (خراج) کی آمدنی سے پورے ہوتے تھے، جو آج کل غیر حاضر زمیندار، جماعتِ اسلامی کی اشیرباد سے، ناجائز طور پر ہڑپ کر جاتے ہیں۔ جماعتِ اسلامی والے اسلامی ریاست کی اس آمدنی کو غیر حاضر زمینداروں کے حوالے کرکے، ملک کے غریب عوام پر دوسرے ٹیکس لگانے کی تائید کر رہے ہیں، جو انگریزوں نے یہاں پر لگائے تھے۔ اسلام کا یہ مالیاتی نظام جس میں کسی ٹیکس کی گنجائش نہیں تھی، ایسا تھا کہ مسلمان گئے گزرے ادوار میں بھی اس پر عمل پیرا رہے۔ خود برصغیر ہندو پاکستان میں یہ ۱۷۹۳ء تک رائج رہا۔ جسے بعد میں انگریزوں نے بنگال کے بندوبستِ دوامی کے پردے میں اپنے نظام سے بدل دیا۔ حیرت ہے کہ جن لوگوں کو اسلام کے مالیاتی نظام کا علم نہیں، وہ اسلامی نظام کیسے نافذ کریں گے۔

۳۔ اسلامی تحقیقاتی ادارے

ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد کی کارکردگی کے بارے میں طلوعِ اسلام کے سابقہ شمارے میں لکھا جا چکا ہے۔ وہ صرف ہمارا ہی نقطۂ نظر نہیں تھا بلکہ مختلف دینی طبقات کا بھی ان کے بارے میں یہی خیال ہے۔ ہفت روزہ چٹان اپنی سات اپریل ۱۹۸۶ء کی اشاعت میں لکھتا ہے:۔

ہماری کتنی بدنصیبی ہے کہ وہ ادارے جن کے ذریعے علم و ثقافت کی خدمت ہوتی ہے وہ اکثر و بیشتر خرابی کا شکار ہیں۔ اسلامی نظریاتی کونسل کا ادارہ ایک عرصہ سے اس طرح ہے کہ اس کی تشکیل جدید نہیں ہو رہی۔ اسلامی تحقیقاتی ادارے سے کوئی تحقیقی کام سامنے نہیں آ رہا۔ ادارہ ثقافت اسلامیہ کے دیو قامت ڈائریکٹرز حضرات اور اس کے ماضی کو یکسر نظر انداز کر کے ایسے ہاتھوں کے سپرد کر دیا گیا ہے۔ جو اس فن کو سرے سے جانتے ہی نہیں۔ یونیورسٹیز وغیرہ میں بعض شعبہ ہائے جات میں ایسے افراد موجود ہیں جن کا اپنے موضوع سے تعلق نہیں ہے اور ایسی ہی ابتری علماء اکادمی میں ہے۔ جس کا نظم و ضبط محکمہ اوقاف پنجاب کے ہاتھ ہے۔

۴۔ علماء کی کدو کاوش

دیوبند کے ایک بہت بڑے عالم دین مولانا انور شاہ کشمیری مرحوم کی زندگی کے بارے میں ایک واقعہ کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے، ان کے ایک شاگرد مفتی محمد شفیع صاحب لکھتے ہیں:۔

"ایک اہم واقعہ بھی آپ کے گوش گزار کروں جو اہم بھی ہے۔ اور عبرت خیز بھی، قادیان میں ہر سال ہمارا جلسہ ہوا کرتا تھا۔ اور سیدی حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحبؒ اس میں شرکت فرمایا کرتے تھے۔ ایک سال اسی جلسہ پر تشریف لائے، میں بھی آپ کے ساتھ تھا۔ ایک صبح نماز فجر کے وقت اندھیرے میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ حضرت سر پکڑے ہوئے بہت مغموم بیٹھے ہیں۔ میں نے پوچھا حضرت کیسا مزاج ہے؟ کہا ہاں! ٹھیک ہی ہے۔ میاں مزاج کیا پوچھتے ہو۔ عمر ضائع کر دی۔ میں نے عرض کیا حضرت! آپ کی ساری عمر علم کی خدمت میں، دین کی اشاعت میں گزری ہے۔ ہزاروں آپ کے شاگرد علماء ہیں، مشاہیر ہیں۔ جو آپ سے مستفید ہوئے اور خدمتِ دین میں لگے ہوئے ہیں۔ آپ کی عمر اگر ضائع ہوئی تو پھر کس کی عمر کام میں لگی۔ فرمایا، میں تمہیں صحیح کہتا ہوں، عمر ضائع کر دی، میں نے عرض کیا، حضرت بات کیا ہے؟

فرمایا، ہماری عمر کا، ہماری تقریروں کا، ہماری ساری کدو کاوش کا خلاصہ یہ رہا ہے کہ دوسرے مسلکوں پر حنفیت کی ترجیح قائم کریں۔ امام ابو حنیفہؒ کے مسائل کے دلائل تلاش کریں اور دوسرے ائمہ کے مسائل پر آپ کے مسلک کی ترجیح ثابت کریں۔ یہ رہا ہے محور ہماری کوششوں کا، تقریروں کا اور علمی زندگی کا۔

اب غور کرتا ہوں تو دیکھتا ہوں کہ کس چیز میں عمر برباد کی؟ ابو حنیفہؒ ہماری ترجیح کے محتاج ہیں کہ ہم

ان پر کوئی احسان کریں۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے جو مقام دیا ہے وہ مقام لوگوں سے خود اپنا لوہا منوائے گا۔

(ہفت روزہ اعتصام لاہور بابت ۱۱ اپریل ۱۹۸۶ء ص ۱۷)

لیکن حیرت ہے کہ ان کے استاد کی اس ناکامی کی تصریح کے باوجود ہمارے علماء فقہ سے باہر نکل کر قرآن مجید کا دامن تھامنے سے گریز کر رہے ہیں۔ اور اگر اللہ کا کوئی بندہ انہیں اللہ تعالیٰ کی کتاب کی طرف بلائے تو اس پر کفر کا فتویٰ لگا دیتے ہیں!

۵۔ بچوں کو روزہ رکھوانے کا شوق

رمضان شریف میں ہمارے ہاں کچھ لوگ، تقریب منانے کے لئے، بچوں کو روزہ رکھواتے ہیں اس کے بارے میں مولانا اشرف علی تھانوی صاحب لکھتے ہیں:۔

ان سب صورتوں سے بڑھ کر افراط یہ ہے کہ بعضوں کو بہت چھوٹے کم سمجھ ناتواں بچہ کو روزہ رکھانے کا شوق ہوتا ہے۔ کچھ تو خود اس روزہ رکھانے کا فخر ہوتا ہے اور کچھ روزہ کشائی میں حوصلہ نکالنے کا ارمان ہوتا ہے، سو اوّل تو مبنیٰ ہی اس کا فاسد پھر لَا یُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا کی مخالفت پھر اس پر بعض عوارض ایسے مرتب ہوجاتے ہیں کہ معصیت میں تضاعف ہوجاتا ہے۔ مجھ کو ایک جگہ کا قصہ معلوم ہے کہ اسی طرح کے ایک بچہ کو روزہ رکھوایا اور اپنی امارت اچھالنے کے لئے روزہ کشائی کا بہت زیادہ اہتمام کیا۔ گرمی کے بڑے اور کڑے دن عصر کے وقت تک جوں توں کرکے اس نے کھینچا۔ آخر طاقت طاق ہوگی اور صبر و تواں نے جواب دے دیا۔ ٹھنڈے پانی کے مٹکے بھرے رکھے تھے ان پر تر کپڑا لپٹا تھا، برف گھولنے کا سامان ہو رہا تھا، اس سارے سامان نے آگ بھڑکا دی۔ ایک ایک کی خوشامد پانی کے پانی کو جواب دے دیا۔ آخر سخت بے تاب ہو کر دوڑ کر ایک مٹکے کو جا لپٹا اور محبوب سے وصل ہوتے ہی روح نے قالب کو چھوڑ دیا۔ اس کی نعش زبان حال سے سراپا تھی کہ "لو بھائی تم کو تمہارا سامان رہے۔ ہم اپنی جان تمہارے سامان پر فدا کرتے ہیں"۔ کس قدر حسرتناک ماجرا ہے۔ یہ نتیجہ ہے غلو اور افراط کا۔ آخر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بے معنی تو نہیں ہے لَا تَغْلُوا فِیْ دِیْنِكُمْ کیا اس ہلاک اور قتل کی نسبت گو تسبیباً سہی ان ظالموں کی طرف نہ ہوگی، غرض تفریط اور افراط دونوں مذموم ہیں شرع نے دونوں سے روکا ہے۔

(بحوالہ ماہنامہ البلاغ بابت اپریل/مئی ۱۹۸۶ء ص ۳۴)

یہی بات اگر طلوع اسلام کہتا تو معلوم نہیں، اس پر کس کس گوشے سے کیا کیا فتوے لگتے۔

۶۔ اہلحدیث میں اقتدار کی جنگ

اہل حدیث ہمارے ملک کا ایک چھوٹا سا فرقہ ہے۔ مارشل لاء کے دور میں اس فرقے کو اقتدار کی جھلک

نظر آئی تو اس کے دو ٹکڑے ہوگئے۔ ایک ٹکڑے کی قیادت علامہ احسان الٰہی ظہیر فرما رہے ہیں اور دوسرے کی میاں فضل حق صاحب۔ مارشل لاء کے خاتمے کے بعد، علماء اہلحدیث نے ۷ اپریل کو ایک کنونشن بلائی تاکہ اہلحدیث کے دونوں دھڑوں کو دوبارہ متحد کیا جاسکے۔ اس کنونشن میں فیصلہ یہ ہوا کہ دونوں دھڑوں کے سربراہ استعفیٰ دے دیں اور ساری جماعت کا مشترکہ اجلاس بلاکر نئے عہدیداروں کا انتخاب کرائیں۔ چنانچہ ایک دھڑے کے سربراہ میاں فضل حق صاحب نے تو فوری طور پر استعفیٰ دے دیا۔ لیکن علامہ احسان الٰہی ظہیر صاحب اپنے قول سے پھر گئے۔ اس کی تفصیلات خود انہی لوگوں کی زبانی سنیے:۔

۷ اپریل کو علماء اہلحدیث کنونشن میں علامہ احسان الٰہی ظہیر صاحب نے ایک جوشیلی دار تقریر جھاڑی کہ میرا استعفیٰ میرے امیر کے پاس ہے، میاں صاحب پانچ منٹ میں استعفیٰ دے دیں۔ اس پر اسقدر زور دیا اور حاضرین کو باور کرایا کہ میاں صاحب کے استعفیٰ کی دیر ہے۔ علامہ کا استعفیٰ تو ہوچکا ہے۔ میاں صاحب کو جب علم ہوا کہ علامہ صاحب نے یہ دعویٰ کیا ہے، اسی وقت میاں صاحب نے استعفیٰ دیکر علامہ صاحب کی شرط پوری کردی اور استعفیٰ کی ایک کاپی خواجہ محمد طفیل اور مولانا محمود احمد میر پوری کو دے دی۔ وہ اپنے مشن میں کامیاب واپس لوٹے لیکن علامہ صاحب اب تک مختلف بہانے بنا رہے ہیں۔ میاں صاحب کی طرح انہیں بھی ایثار کرنا چاہیئے وہ بھی میاں صاحب کی طرح مستعفی ہوں اور شرائط کے مطابق دونوں صاحب آئندہ انتخاب میں عہدہ نہ لیں، سابق مجلس شوریٰ جس کے وجود کو ہر دو جماعتوں نے تسلیم کیا ہے وہ انکی جگہ کسی تیسرے صاحب کو ناظم مقرر کرلیں اس کے بعد دیگر عہدیداروں کا وہ شوریٰ انتخاب کرے۔

(بحوالہ ہفت روزہ اہلحدیث ۲۵ اپریل ۱۹۸۶ء)

۷۔ ریفرنڈم کے بارے میں جماعت اسلامی کی قلابازی!

کل تک جماعت اسلامی کی جانب سے یہ دعویٰ کیا جاتا تھا کہ صدر کو ریفرنڈم کی تجویز جماعت اسلامی نے پیش کی تھی اور یہ کہ یہ ریفرنڈم، اسلامی نظام کی طرف ایک اہم قدم تھا، لیکن اب انہوں نے اس بارے میں اپنا نقطۂ نظر بدل لیا ہے۔ جماعت اسلامی کا ترجمان، ہفت روزہ ایشیاء، اپنی ۲۰ اپریل کی اشاعت میں لکھتا ہے:۔

اس سے بھی بڑھکر ۱۹ دسمبر ۸۴ء کے ریفرنڈم کا معاملہ تھا۔ پوری حکومتی مشینری اسکو کامیاب بنانے کے لئے لگا دی گئی۔ ریفرنڈم کے خاتمے پر جب صدر صاحب نے اپنی نشری تقریر میں ایک ایک شعبے کا نام بنام شکریہ ادا کیا تب معلوم ہوا کہ پوری ریاستی مشینری ریفرنڈم کو کامیاب بنانے کے لئے کسطرح استعمال ہوئی؟ اگر ملازمین سرکار کو آئین کی پابندی کی آزادی ہوتی تو شاید ایک بھی سرکاری ملازم اس ریفرنڈم کے عمل میں شریک نہ ہوتا کیونکہ دستور ۷۳ء میں ایسے ریفرنڈم کا کہیں کوئی ذکر یا اشارہ نہیں۔ اردو میں محاورہ ہے "جیسا راجا ویسی پرجا"۔ راجا جیسے طرز عمل ہوگا ویسا ہی پرجا کا ہوگا۔ سرکاری ملازمین کو جو نصیحت بار بار کی جاتی ہے وہ حقیقت میں حکمرانوں کے لئے ہے۔ حکمران اگر جانبداری اور اصول شکنی نہ کریں تو یہ کیسے ممکن ہے کہ ماتحتوں کو اس کی جرأت ہو۔"

(ہفت روزہ ایشیاء ۲۰ اپریل ۱۹۸۶ء صفحہ ۶)

باب المراسلات

مارشل لاء کے بعد جمہوریت کے دور کا آغاز بڑے زور و شور سے ہوا ہے اور ملک کی تمام جماعتوں نے ملک کے بڑے بڑے شہروں میں بہت عظیم الشان جلسے کئے ہیں۔ ان جلسوں میں جہاں اپنی قوت کی کھلی نمائش کی گئی۔ وہاں عوام کے سامنے اپنی پارٹی کا منشور بھی پیش کیا گیا۔ کہ جب ہم برسرِ اقتدار آئیں گے تو ہم کس قسم کا نظام نافذ کریں گے اور ہر نظام کے آغاز پر سب سے پہلے جو مسئلہ آتا ہے۔ وہ معیشت کا ہی ہے۔ جس کے حل کے لئے سوشلزم، کمیونزم، سرمایہ داری اور اسلام برسرِ پیکار ہیں۔

ایم۔آر۔ڈی، مسلم لیگ، تحریکِ استقلال، مساوات پارٹی کے علاوہ جماعتِ اسلامی بھی بہت بڑے بڑے جلسے کر رہی ہے۔ گذشتہ دنوں رحیم یار خان میں ایک جلسۂ عام سے خطاب کرتے ہوئے جماعتِ اسلامی کے قائدین نے کہا کہ جماعتِ اسلامی برسرِ اقتدار آکر ۲۴ گھنٹوں کے اندر تمام جاگیریں چھین لے گی اور صرف ۳۵ ایکڑ رقبہ رہنے دیا جائے گا۔" جس کو "اخبارِ ملت ملتان" نے ۳۰ مارچ ۱۹۸۶ء کی اشاعت میں سہ کالمی سرخی سے شائع کیا ہے۔

جماعتِ اسلامی کے بانی مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے اپنی ایک کتاب میں فرمایا ہے کہ:

زمین بھی اسی طرح ایک آدمی کی ملکیت ہو سکتی ہے۔ جس طرح کوئی دوسری چیز۔ اس کے لئے کوئی حد مقرر نہیں۔ ایک گز مربع سے لیکر ہزار ایکڑ تک خواہ کتنی ہی زمین ہو۔ اگر کسی قانونی صورت سے آدمی کی ملک میں آتی ہے۔ تو بہرحال وہ اسکی جائز ملک ہے۔

(از اسلام اور جدید معاشی نظریات، صفحہ نمبر ۱۲۷)

مولانا کے اس بیان کی رُو سے کوئی بھی شخص جائز طریقہ سے جتنی چاہے زمین پر شخصی ملکیت رکھ سکتا ہے۔ تو اس انداز سے جماعتِ اسلامی کے قائدین کا یہ بیان کسی بھی لحاظ سے مناسب نہیں ہے کہ ۲۴ گھنٹے کے اندر تمام جاگیریں چھین لی جائیں گی۔ کیونکہ اسلام لامتناہی زمین رکھنے کی اجازت دیتا ہے۔

اب اگر یہ سمجھ لیا جائے کہ جماعت کے قائدین کا یہ بیان ناجائز طریقہ سے زمین رکھنے والوں

کے لئے ہے۔ تو اس بارے میں بھی مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کا ہی ارشاد حاضرِ خدمت ہے:۔

"زمانۂ جاہلیت میں اہلِ عرب کسبِ معاش کے بکثرت ایسے ذرائع استعمال کرتے تھے۔ جن کو اسلام نے بعد میں آکر حرام اور سخت قابلِ نفرت ٹھہرایا۔ مگر پہلے کی جو املاک چلی آرہی تھیں۔ ان کے متعلق اسلام نے یہ جھگڑا نہیں اٹھایا کہ جن جن لوگوں نے حرام خوری کے ذریعہ سے دولت کمائی تھی۔ اب ان کی املاک ضبط ہونی چاہئیں۔ حتیٰ کہ سود خواروں اور قحبہ گری کا پیشہ کرنے والوں اور ڈاکے مارنے والوں تک کے پچھلے اعمال پر گرفت نہ کی گئی۔ جس کے قبضے میں جو تھا۔ اسلام کے دیوانی قانون نے اس پر اس کے حقوق ملکیت تسلیم کر لئے۔ آئندہ کے لئے حرام طریقوں کو بند کر دیا اور سابقہ املاک کو اسلام کا قانونِ وراثت تحلیل کرتا چلا گیا۔

(اسلام اور جدید معاشی نظریات صفحہ نمبر ۱۲۴)

تاریخِ اسلام پر نگاہ رکھنے والا ہر شخص جانتا ہے کہ خلافتِ راشدہ کے بعد ملوکیت نے اپنے قدم جمانے کے لئے کیا کچھ نہیں کیا۔ علم و دانش کے بے شمار دیئے گُل کئے۔ اور اسلامی اقدار کو پامال کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ اور پاکستان کی تاریخ پر تو شاید انگریز کے خونخوار پنجوں کے نشان شاید ایک مدت کے بعد ہی مدھم ہوں۔ اور اس خطہ پاک میں پھر سے اسلام کے درخشندہ دور کا آغاز ہو۔ اور پھر سے اسلامی اقدار بحال ہوں۔ تو ایسے غیر اسلامی دور میں حاصل کی ہوئی زمینوں کو جماعت کے قائدین کے بیان کے مطابق چھین لینا غیر ازاسلام ہوگا۔ اس لئے کہ جب بھی از سرِ نو اسلامی نظام کا نفاذ ہوگا تو وہ اپنی تدریجی مراحل سے گزرے گا۔ جس کی سند خود مولانا سید ابوالاعلیٰ نے پیش کی ہے کہ دورِ جہالت یا دورِ ملوکیت کی حاصل کردہ زمینیں اسلام کی رُو سے چھینی نہیں جاسکتیں۔

جماعتِ اسلامی کے قائدین کا یہ بیان شاید "نظریہ ضرورت" کے تحت ہے۔ کیونکہ مولانا مودودی صاحب کا یہ فتویٰ ہے کہ

"راستبازی اور صداقت شعاری اسلام کے اہم ترین اصولوں میں سے ہے۔ اور جھوٹ اس کی نگاہ میں ایک بدترین برائی ہے۔ لیکن عملی زندگی کی بعض ایسی ضرورتیں ہیں۔ جن کی خاطر جھوٹ کی نہ صرف اجازت ہے بلکہ بعض حالات میں اس کے وجوب تک کا فتویٰ دیا گیا ہے۔"

(ماہنامہ ترجمان القرآن بابت مئی ۱۹۵۸ء)

التحریر:۔ سید انعام الحق ضیغم پورے والہ)

۲۔ گھوڑ دوڑ پر جواء اور علماء کا طرزِ عمل:

طلوعِ اسلام کے ایک قاری، گھوڑ دوڑ پر جوئے کے بارے میں علماء، خاص کر ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے طرزِ عمل کے بارے میں لکھتے ہیں کہ طلوعِ اسلام کے پچھلے دو شماروں میں عورتوں کی جانب سے اس الزام کو نقل کیا گیا تھا کہ جس میں انہوں نے علماء پر طنز کی تھی کہ وہ عورتوں کے حقوق کے تو پیچھے پڑے ہوئے ہیں لیکن گھوڑ دوڑ پر جوئے کے حرام ہونے کے بارے میں اپنی زبان سے ایک لفظ بھی نہیں نکالتے حالانکہ وفاقی شرعی عدالت، اسے حرام قرار دے چکی ہے۔

بندہ کے لئے علماء کا یہ طرزِ عمل، باعثِ حیرت تھا، اس لئے ان کا نقطۂ نظر معلوم کرنے کے لئے ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے ایک خطاب کے دوران، انہیں اس بارے میں وضاحت کرنے کے لئے ایک چٹ بھیجی۔ انہوں نے دوسرے سوالات کا جواب تو دے دیا، لیکن میرے سوال کے بارے میں خاموشی اختیار کر لی۔ اور فرمایا بقیہ سوالات کے سائل قرآن اکیڈمی تشریف لا کر تسلی کر سکتے ہیں۔ چنانچہ بندہ وہاں حاضر ہوا تو بتایا گیا کہ ڈاکٹر صاحب کہیں باہر دورے پر تشریف لے گئے ہیں۔ اور یہ کہ اس بارے میں جامعہ اشرفیہ کے مہتمم مفتی عبدالرحمٰن صاحب سے دریافت کر لیا جائے۔ ان کے جواب سے مجھے ایسا معلوم ہوا کہ قرآن اکیڈمی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کا دوسرا نام ہے کیونکہ وہاں پر موجود کوئی صاحب بھی مجھے اس حرام کاروبار کی حیثیت بتانے پر تیار نہ تھا۔ حالانکہ وفاقی شرعی عدالت اسے حرام قرار دے چکی تھی۔

چار و ناچار، بندہ مفتی عبدالرحمٰن صاحب کی خدمت میں جامعہ اشرفیہ لاہور میں حاضر ہوا اور ان کی زبانی یہ سن کر، حیران رہ گیا کہ فقہاء نے بعض شرائط کے تحت گھوڑ دوڑ پر جوئے کو جائز قرار دیا ہے۔ اب یہ بات میری سمجھ میں آگئی کہ قرآن اکیڈمی والوں نے مجھے مفتی صاحب کے پاس کیوں بھیجا تھا۔ ان کا نقطۂ نظر بھی یہی تھا۔ لیکن وانشگاف الفاظ میں اسے بیان کرنے کی جرأت نہیں کر رہے تھے۔ اس سے وہ عقدہ بھی حل ہو گیا کہ عورتوں کی جانب سے ملامت کئے جانے کے باوجود ڈاکٹر اسرار احمد صاحب سمیت علماء حضرات، گھوڑ دوڑ پر جوئے کے کاروبار کے بارے میں کیوں خاموش ہیں۔

بندہ نے علماء کے اس طرزِ عمل کا ذکر، اپنے چند دوستوں سے کیا تو انہوں نے بتایا کہ سب علماء اس جوئے کے کاروبار کو جائز نہیں سمجھتے بلکہ مفتی محمد حسین نعیمی صاحب نے اس کی حرمت کے بارے میں بڑا سخت فتویٰ دے رکھا ہے۔ لیکن میرے لئے یہ امر باعثِ حیرت تھا کہ علماء کا ایک طبقہ، اس حرام کو جائز قرار دیتا ہے۔

انہی حضرات نے عائلی قوانین کے سلسلے میں یہ شور مچا رکھا ہے کہ انہیں وفاقی شرعی عدالت کے دائرہ کار میں لایا جائے لیکن گھوڑ دوڑ کی حرمت کے بارے میں اسی شرعی عدالت نے جو فیصلہ دیا وہ اسے عملاً تسلیم کرنے سے انکاری ہیں، براہِ کرم آپ اس بارے میں میری تسلی فرمائیں۔ والسلام

طلوع اسلام۔ جوئے کے حرام ہونے کے بارے میں، تو شاید جوا کھیلنے والوں کو بھی شک نہیں۔ لیکن گھوڑ دوڑ پر جوا کھیلنا، بڑے بڑے سرمایہ دار لوگوں کا مشغلہ ہے۔ آپ کو علم ہے۔ کہ یہ لوگ علماء کی خدمت کرتے رہتے ہیں۔ آخر انہیں ان کی خدمت کا کچھ تو صلہ ملنا چاہیئے۔

مطالبُ الفرقان جلد ششم

اس میں سورۃ الاعراف کی آیات (۱۵۹ تا ۲۰۶)، سورۃ انفال کی کل آیات (۱ تا ۷۵)، سورۃ توبہ کی کل آیات (۱ تا ۱۲۹) سورۃ یونس کی کل آیات (۱ تا ۱۰۹) اور سورۃ ھود کی کل آیات (۱ تا ۱۲۳) آگئی ہیں، جو بیشتر مشتمل ہیں۔ حضراتِ انبیاء سابقہ کے کوائف حیات اور اقوام گذشتہ کے نہایت عبرت خیز واقعات پر۔ جو احباب سلسلۂ مطالبُ الفرقان کا مطالعہ کر چکے ہیں وہ جانتے ہیں کہ تصریفِ آیات کے اصول کے مطابق جس طرح قرآنِ مجید کی تفسیر، ان مجلدات میں پیش کی جا رہی ہیں اس سے قرآنی حقائق کس طرح نکھر کر سامنے آجاتے ہیں۔

یہ جلد اعلیٰ درجہ کے سفید کاغذ کے (۴۳۶) صفحات پر چھپی ہوئی ہے
کتابت، طباعت، جلد، سابقہ جلدوں کے معیار کے مطابق، عمدہ اور دلکش
قیمت فی جلد -/۷۵ روپے۔ محصول ڈاک -/۸ روپے

ملنے کا پتہ

(۱) ادارہ طلوعِ اسلام ۲۵۔ بی گلبرگ ۲ لاہور
(۲) مکتبہ دین و دانش۔ چوک اردو بازار لاہور

محترم پرویز صاحب کا ہفتہ وار درس قرآن کریم

محترم پرویز صاحب کے اس درس نے عالمگیر شہرت حاصل کر لی ہے۔ مرکزی درسگاہ تو ادارۂ طلوع اسلام (۲۵/B گلبرگ ۲) ہے جہاں یہ درس (آج کل) ہر جمعہ کی صبح ۸ بجے بذریعہ وی سی آر (V.C.R) ہوتا ہے لیکن اندرون پاکستان اور بیرونی ممالک میں اسے ٹیپس (TAPES) کے ذریعے عام کیا جاتا ہے۔ حسب ذیل مقامات پر یہ (V-C-R) کے ذریعے نشر ہوتا ہے:۔

کراچی:۔ ہر جمعہ ۹½ بجے صبح کتب خانہ بزم طلوع اسلام کمرہ نمبر ۴ ہارون چیمبرز الطاف حسین روڈ نیوچالی فون نمبر:۔ ۲۳۸۸۲۸

اوسلو:۔ (ناروے) ہر اتوار شام ۵ بجے بمقام:۔ JINNAH HALL, KEYSERS GATE-I OSLO—I
زیر انتظام محترم امجد محمود صاحب ٹیلیفون نمبر 02-615756

لندن:۔ (یوکے) ہر ماہ کے آخری اتوار دو بجے بعد دوپہر بمقام 47 HURLE ROAD GREEN FORD MIDDLE SEX TEL: 01—578—5631

ٹورنٹو:۔ (کینیڈا) ہر ماہ کا پہلا اتوار ۱۰ بجے صبح 335 DRIFTWOOD - AVE: # 311, DOWNS VIEW, TORONTO (ONT.) M3N — 2P3, TEL: (416) 661—2827

پشاور:۔ ہر جمعہ صبح ۱۰½ بذریعہ (VCR) رہائش: شیر افضل خان نمائندہ بزم بالمقابل رحمان برادرز ٹمبر کارپوریشن یونیورسٹی روڈ تہکال پایاں پشاور

جہلم:۔ ہر ماہ کا آخری جمعہ بعد نماز جمعہ یوسف بٹ صاحب بٹ آئرن سٹور چک جمال روڈ کالا گوجراں جہلم

لاہور:۔ ہر جمعہ ۸ بجے صبح ۔ ۲۵-بی گلبرگ ۲ نزد پولیس اسٹیشن فون نمبر:۔ ۸۸۰۸۰۰ (بذریعہ وی سی آر (V-C-R)

گوجرانوالہ:۔ ہر ماہ کا پہلا جمعہ بعد نماز جمعہ درس قرآن کریم بذریعہ وی سی آر ہر ماہ کے بقیہ جمعہ بعد نماز جمعہ حسب معمول کیسٹ پر

گجرات:۔ ہر جمعرات تین بجے سہ پہر رہائش گاہ:۔ ڈاکٹر محمد اکرم مرزا صاحب جناح کالونی (گجرات) ٹیلیفون نمبر:۔ ۳۶۳۰ + ۳۷۴۰

فریڈرکستاد:۔ (ناروے) ہر ماہ کا پہلا اور تیسرا اتوار شام ۴ بجے بمقام ARNE—SVENDSENS—GATE-1, 1600 FREDRIKSTAD, NORWAY TEL: (032) 10287 / 22802

برمنگھم:۔ (انگلینڈ) ہر ماہ کا پہلا اتوار ۲ بجے بعد دوپہر 227/229 ALUM ROCK ROAD 38— 3 BH (BIRMINGHAM)

ملتان:۔ جمعہ ۱۰ بجے صبح دفتر میسرز شاہ سنز بیرون پاک گیٹ (فون نمبر:۔ ۳۱۰۷۱)

لندن یوکے:۔ ہر ماہ کے دوسرے اتوار 39 MANSELL RD GREENFORD MIDDLE SEX TEL 01-575-5662

اور ذیل کے مقامات پر، عام (TAPES) کے ذریعے

نام بزم طلوع اسلام	دن اور وقت	مقام اور درس کے کوائف
لندن (انگلینڈ)	ہر ماہ کا پہلا اتوار ۲½ بجے بعد دوپہر	76, PARK ROAD, ILFORD, TELPHONE No. 553 — 1896
کوئٹہ	باقاعدہ ہفتہ وار	رابطہ کے لئے: صابر ہومیو فارمیسی توغی روڈ باہتمام غلام صابر صاحب
فیصل آباد	جمعہ ۳½ بجے سہ پہر	حیات سرجری کلینک، ۲۳/C پیپلز کالونی (فون نمبر: ۴۲۸۵۵)
ہنگو	جمعہ ۵½ بجے شام	رہائش گاہ محمد جمیل صاحب واقع ریلوے روڈ (فون نمبر ۶۷)
راولپنڈی	ہر جمعہ ۵ بجے شام	جے ۔ ۱۶۶ لیاقت روڈ
پنجکسی تحصیل کبیروالہ (ملتان)	جمعہ ۳ بجے سہ پہر	مطب حکیم احمدالدین صاحب (نمائندہ بزم
گجرات	جمعہ بعد نماز جمعہ اور اتوار ۴ بجے سہ پہر	۱۲۰/۱ بی بھمبر روڈ باہتمام شیخ قدرت اللہ صاحب ایڈووکیٹ
جلالپور جٹاں	جمعہ بعد نماز جمعہ	دفتر بزمِ طلوعِ اسلام (بازار کلاں)
ایبٹ آباد	۱۔ جمعہ ۴ بجے سہ پہر ۲۔ اتوار ۴ بجے سہ پہر	رہائش گاہ: صلاح الدین صاحب واقع 234-K-L کہیال (ایبٹ آباد) رہائش گاہ: غلام مصطفےٰ اعوان صاحب K-356 گنج گراؤنڈ (ایبٹ آباد
بورے والہ	ہر ماہ کا پہلا اور تیسرا جمعہ بعد نماز جمعہ	برمکان محمد اسلم صابر۔ مرضی پورہ گلی نمبر ۵ نیسرا چوک ملتان روڈ۔ بورے والہ
سرگودھا	ہر جمعہ صبح ۹ بجے	رہائش گاہ: ارشد محمود ارشد ۶۰/A سول لائن ریلوے روڈ سرگودھا (جو ماہین جام سینما، شمع سینما بین ریلوے روڈ پر واقع ہے (فون ۴۷۱۶)

طلوعِ اسلام کا مقصد و مسلک

(جسے معلوماتِ عامہ کے لئے وقتاً فوقتاً شائع کیا جاتا ہے:-)

(۱) تنہا عقلِ انسانی زندگی کے مسائل کا حل دریافت نہیں کر سکتی۔ اسے اپنے رہنمائی کے لئے اسی طرح وحی کی ضرورت ہے جس طرح آنکھ کو سورج کی روشنی کی ضرورت۔

(۲) خدا کی طرف سے عطا شدہ وحی اپنی آخری اور مکمل شکل میں قرآن کریم کے اندر محفوظ ہے جو تمام نوعِ انسانی کے لئے ابد تک ضابطۂ ہدایت ہے۔ لہٰذا اب نہ خدا کی طرف سے کسی کو وحی مل سکتی ہے نہ کوئی نبی یا رسول آ سکتا ہے۔ قرآن کریم خدا کی آخری کتاب اور حضورؐ رسالتمآب خدا کے آخری نبی اور رسول ہیں۔

(۳) قرآنِ کریم کا ہر دعویٰ علم پر مبنی ہے اور اس کے حقائق زمان و مکان کی حدود سے ماوراء ہیں۔ قرآنی حقائق کے سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ جس حد تک انسانی علم ترقی کر چکا ہے وہ انسان کے سامنے ہو اور چونکہ قرآنِ کریم کا ارشاد ہے کہ خدا نے تمام کائنات انسان کے لئے تابعِ تسخیر کر رکھی ہے اس لئے خدائی پروگرام کو پورا کرنے کے لئے کائناتی قوتوں کی تسخیر ضروری ہے۔

(۴) نبی اکرمؐ کی سیرتِ مقدسہ، شرف و عظمتِ انسانیت کی معراجِ کبریٰ ہے۔ یہی وہ پاکیزہ سیرت ہے جو تمام نوعِ انسانی کے لئے اسوۂ حسنہ (بہترین نمونہ) ہے۔ حضورؐ کی سیرتِ طیبہ کا جو حصّہ قرآنِ کریم کے اندر محفوظ ہے اس کے قطعی یا یقینی ہونے میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں۔ باقی رہا وہ حصّہ جو قرآن سے باہر ہے۔ سو اس میں اگر کوئی بات ایسی ہے جو قرآن کے خلاف جاتی ہے یا جس سے حضورؐ پر (معاذ اللہ) کسی قسم کا طعن پایا جاتا ہے تو ہمارے نزدیک وہ بات غلط ہے۔ اسے حضورؐ کی طرف منسوب نہیں کرنا چاہیئے۔ یہی اصول صحابۂ کبارؓ کی سیرتِ مقدسہ کے سلسلہ میں بھی سامنے رکھا جانا چاہیئے۔

(۵) دین کا مقصد یہ ہے کہ وہ انسانوں کو دوسرے انسانوں کی محکومی سے چھڑا کر ان سے خالص قوانین خداوندی کی اطاعت کرائے۔ قوانین کی یہ اطاعت ایک نظامِ مملکت کی رو سے ہو سکتی ہے اس کے بغیر دین (جو نظامِ زندگی کا نام ہے) ممکن نہیں ہو سکتا۔

(۶) رسول اللہؐ نے سب سے پہلے دین کا نظام قائم فرمایا۔ اس نظام میں قرآن کریم کے احکام و قوانین کی اطاعت کرائی جاتی تھی اور جن امور میں قرآن کریم نے صرف اصول دیئے ہیں ان کی چار دیواری کے اندر رہتے ہوئے امورِ مملکت امت کے مشورہ سے سرانجام پاتے تھے۔

(۷) رسول اللہؐ کے بعد دین کا وہی نظام حضورؐ کے خلفائے راشدین نے جاری رکھا۔ اس میں امورِ مملکت سرانجام پانے کا وہی طریقہ تھا جو رسول اللہؐ کے زمانہ میں رائج تھا۔ یعنی قرآنِ کریم کے احکام و قوانین کی اطاعت اور جن امور میں قرآنِ کریم نے

صرف اصول دیئے ہیں ان کی چار دیواری کے اندر اُمت کے مشورہ سے متعلقہ امور کے فیصلے۔ اس طریق کو خلافت علیٰ منہاجِ رسالت کہا جاتا ہے۔

(۸) بدقسمتی سے خلافت علیٰ منہاجِ رسالت کا یہ سلسلہ کچھ عرصہ کے بعد منقطع ہو گیا اور دین کا نظام باقی نہ رہا۔ اس سے اُمت میں انتشار پیدا ہو گیا۔ خلافت کے زمانے میں تمام امور، دین کے نظام کے تابع رہتے تھے۔ لیکن اب مذہب اور سیاست میں ثنویت پیدا ہو گئی۔ یہ سلسلہ اس وقت تک جاری ہے۔

(۹) ہمارے لئے کام کرنے کا یہ ہے کہ پھر سے خلافت علیٰ منہاجِ رسالت کا سلسلہ قائم کیا جائے جو اُمت کو احکام قوانینِ خداوندی کے مطابق چلائے۔ ظاہر ہے کہ اس نظام کو چلانے والوں کی اپنی زندگی سب سے پہلے قوانینِ خداوندی کے تابع ہو گی۔

(۱۰) چونکہ دین کا نظام (خلافتِ علیٰ منہاجِ رسالت) زندگی کے تمام شعبوں کو محیط ہو گا۔ اس لئے اس میں موجودہ ثنویت ختم ہو جائے گی۔ یعنی اس میں یہ نہیں ہو گا کہ سیاسی معاملات کے لئے حکومت کی طرف رجوع کیا جائے اور مذہبی یا شخصی امور کیلئے مذہبی پیشوائیت کی طرف۔ اس میں یہ دونوں شعبے باہمدگر مدغم ہو جائیں گے۔

(۱۱) جب تک اس قسم کا نظام قائم نہیں ہو جاتا، اُمت کے مختلف فرقے جس جس طریق پر نماز، روزہ وغیرہ اسلامی احکام پر عمل کر رہے ہیں، کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ ان میں کوئی ردّ و بدل کرے یا کوئی نیا طریقہ وضع کر کے اُسے "خدا اور رسول" کا طریقہ قرار دے۔

(۱۲) قرآنی نظام کا مقصود یہ ہے کہ خدا کی متعین کردہ مستقل اقدار کے مطابق انسان کی مضمر صلاحیتوں کی نشوونما ہوتی جائے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ یہ نظام تمام افرادِ معاشرہ کی بنیادی ضروریاتِ زندگی، روٹی، کپڑا، مکان، علاج، تعلیم وغیرہ بہم پہنچانے کا ذمہ دار ہو۔

(۱۳) قرآن کا نظام اپنی نوعیت کا واحد اور منفرد نظام ہے اس لئے نہ وہ دنیا کے کسی اور نظام میں جذب ہو سکتا ہے نہ ان سے مفاہمت کر سکتا۔ خواہ وہ مغرب کا جمہوری سرمایہ دارانہ نظام ہو یا سوشلزم کا آمرانہ اشتراکی نظام۔ اس کے نزدیک یہ سب نظام ہائے زندگی غیر خداوندی ہیں لہٰذا باطل۔

(۱۴) جہاں تک احادیث کا تعلق ہے ہم ہر اس حدیث کو صحیح سمجھتے ہیں جو قرآن کریم کے مطابق ہو، یا جس سے حضور نبی اکرمؐ یا صحابہ کبارؓ کی سیرت داغدار نہ ہوتی ہو۔

(۱۵) ہم، رسول اللہؐ کے بعد، ہر قسم کے مدعیٔ وحی کو دائرہ اسلام سے خارج سمجھتے ہیں۔

(۱۶) طلوعِ اسلام کا تعلق نہ کسی سیاسی پارٹی سے ہے نہ مذہبی فرقہ سے (اسے فرقہ اہلِ قرآن سے بھی کوئی تعلق نہیں)۔ نہ ہی یہ کوئی نیا فرقہ پیدا کرنا چاہتا ہے اس لئے کہ اس کے نزدیک دین میں فرقہ سازی شرک ہے۔ اُمت کے مختلف فرقے جس طریق سے نماز، روزہ وغیرہ کی ادائیگی کرتے ہیں، ہم ان میں کسی قسم کا ردّ و بدل نہیں کرتے۔ اور بلا ردّ و بدل ان کی پابندی کرتے ہیں۔ ہم قرآنِ کریم کی تعلیم کو عام کرتے ہیں تاکہ کسی طرح پھر سے قرآنی نظام (خلافت علیٰ منہاجِ رسالت) کا قیام عمل میں آسکے۔ یہ ہے ہمارا مسلک جسے ہم برسوں سے دہراتے چلے آرہے ہیں۔ اس کے خلاف جو کچھ ہماری طرف منسوب کیا جاتا ہے، وہ مخالفین کا گمراہ کن پروپیگنڈہ ہے۔